ایمانی کمزوری

علامات اسباب اور علاج

مترجم
محمد مقیم فیضی

ناشر
صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایمان کی کمزوری

علاماتِ ، اسباب اور علاج

مترجم
محمد مقیم فیضی

ناشر: صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

نام کتاب	:	ایمان کی کمزوری، علامات اسباب اور علاج
مؤلف	:	فضیلۃ الشیخ صالح المنجد
مترجم	:	محمد مقیم فیضی
ناشر	:	صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی
تعداد	:	۱۱۰۰
قیمت	:	
مطبع	:	بھارت آفسیٹ، دہلی۔۶

ملنے کے پتے

(۱) صوبائی جمعیت اہل حدیث مومبئی

A /1 آشیانہ کو پریٹو ہاؤسنگ سوسائیٹی، ایل، بی، ایس مارگ،

کرلا ویسٹ ممبئی نمبر ۶۷ فون: 5032555

(۲) مکتبہ ترجمان، 4116 اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-6 فون: 3273407

(۳) دارالتراث الاسلامی E-250/2 ابوالفضل انکلیو پارٹ II (شاہین باغ)

جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی-25

بسم اللہ الرحمان الرحیم

عرض ناشر

تعلق باللہ، تزکیہ نفس، انابت إلی اللہ، اصلاح احوال اور ایمان کی نگہداشت کا موضوع دعوت اہل حدیث کی توجہ کا مرکز رہا ہے، جہاں توحید اور اتباع کا موضوع ان کا اساسی موضوع رہا ہے وہیں تزکیہ کا پہلو ہمیشہ جماعت کی دعوتی سرگرمیوں میں نمایاں رہا ہے ان موضوعات پر تقریری کوششوں کے پہلو بہ پہلو تحریری مواد کا بیش بہا ذخیرہ مختلف زبانوں میں موجود ہے اور اس میں حسب ضرورت مناسب اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے.

دینی نصوص کے مطابق ایمان چونکہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور اس کی بنیاد پر انسان کے درجات میں کمی وبیشی بھی ہوتی رہتی ہے نیز فلاح وکامرانی کا دارومدار ایمان ہی پر ہے اس لئے ایمان کی حفاظت کرنا اور ترقیٔ درجات کے لئے صالح زندگی گزارنا ایک مسلمان کی زندگی میں سب سے زیادہ اہم ہے.زیرنظر کتاب کا موضوع جو آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے یہی ہے. جسے صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اپنے اشاعتی پروگراموں کے تحت شائع کررہی ہے.

یہ کتاب شیخ صالح المنجد کی تحریر کردہ ہے اور حسن ترتیب وصحت دلائل میں ممتاز ہے.اس کا ترجمہ مولانا محمد مقیم صاحب فیضی نے کیا ہے.انہوں نے کوشش کی ہے کہ آسان زبان میں کتاب کو قارئین کے سامنے پیش کردیں تاکہ اس سے بھرپور استفادہ کیا جاسکے.اللہ کرے یہ کتاب مسلمان بھائیوں کے لئے مفید ہو.آمین

ناشر:

شعبہ نشرواشاعت صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی

المقدمه

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَسْتَهْدِيهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلاَ هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، ﴿يا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران : ١٠٢)

﴿يٰأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَنِسَآءً ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهِ وَالْاَرْحَامَ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً﴾ (النساء : ١)

﴿يا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْداً، يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْمًا﴾ (الاحزاب : ٧٠-٧١)

اما بعد :

ایمان کی کمزوری ایک ایسی مصیبت ہے جو مسلمانوں کی اکثریت کو اپنی گرفت میں لے چکی ہے ۔اور اس کا خوب دور دورہ ہے، بیشمار لوگ ایسے نظر آئیں گے جو اپنے دل کی سختی

کی شکایت کرتے ہوئے ملیں گے، اس طرح کے الفاظ بار بار سماعت سے ٹکراتے ہیں: ''میں اپنے دل میں سختی محسوس کررہا ہوں'' عبادتوں میں لذت نہیں مل رہی ہے'' میرا ایمان پستی کی گہری کھائیوں میں بھٹک رہا ہے'' ''میرے دل پر تلاوت قرآنی کا کوئی اثر نہیں ہوتا'' ''میں بڑی آسانی کے ساتھ گناہوں کا شکار ہوجاتا ہوں'' بہت سے افراد ایسے ملیں گے جن کے اوپر بیماری کے اثرات کھلے طور سے نظر آئیں گے، اور یہ بیماری ہر مصیبت کی اساس اور ہر طرح کی کمی اور بلا کا سبب ہے.

دلوں کا موضوع بڑا حساس اور اہم ہے، اور قلب کو قلب اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بڑی تیزی کے ساتھ الٹ پلٹ ہوتا رہتا ہے، نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں (اِنما القلب من تقلبه، اِنما مثل القلب كمثل ريشة معلقة في أصل شجرة يقلبها الريح ظهراً لبطن) ''قلب تو اس لئے قلب ہے کیونکہ وہ الٹتا پلٹتا رہتا ہے، دل کی مثال اس پر کی مانند ہے جو کسی درخت کی جڑ سے چمٹا ہوا ہو کہ ہوا اسے آگے پیچھے سے الٹ پلٹ کرتی رہتی ہے'' (احمد ۴/۴۰۸، صحیح الجامع ۲۳۶۴) ایک دوسری روایت میں ہے (مثل القلب كمثل ريشة بأرض فلاة يقلبها الريح ظهراً لبطن) ''دل کی مثال اس پر کی مانند ہے جو کسی چٹیل زمین میں پڑا ہو کہ ہوا اسے اوپر نیچے الٹ پلٹ کرتی ہو'' (السنة لابن ابی عاصم نمبر ۲۲۷ اور اسکی اسناد صحیح ہے، ظلال الجنة فی تخریج السنة للالبانی ۱/۱۰۲)

یہ بڑی شدت کیساتھ الٹ پلٹ ہوتا رہتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے اس کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: (لقلب ابن آدم أسرع تقلباً من القدر إذا استجمعت غليانا) ''ابن آدم کا دل اس ہانڈی سے بھی زیادہ الٹ پلٹ ہوتا رہتا ہے جو جوش مارنے پر آ گئی ہو (حوالہ مذکورہ نمبر ۲۲۶ اور اسکی اسناد صحیح ہے، ظلال الجنۃ ۱/۱۰۲) ایک دوسری روایت میں ہے (أشد تقلباً من القدر إذا اجتمعت غليانا) جوش مارتی ہوئی ہانڈی سے بھی زیادہ الٹ پلٹ ہوتا رہتا ہے (احمد ۶/۴، صحیح الجامع نمبر ۵۱۴۷) اللہ تعالیٰ ہی دلوں کا پلٹنے اور پھیرنے والا ہے جیسا کہ عبداللہؓ بن عمروؓ بن عاص سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا (ان قلوب بني آدم كلها بين إصبعين من أصابع الرحمن كقلب واحد يصرفه حيث يشاء) ''بیشک اولاد آدم کے دل سارے کے سارے رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلی کے درمیان ایک ہی دل کی مانند ہوتے ہیں وہ اسے جس طرف چاہتا ہے پھیرتا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اللهم مصرف القلوب صرف قلوبنا على طاعتک) اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر لگا دے'' (مسلم نمبر: ۲۶۵۴)

یہ بھی مدنظر رہے (أن الله يحول بين المرء وقلب) کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اسکے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن صرف وہی نجات پا سکے گا جو (إلَّا مَنْ

أَتَـى الـلّٰــهَ بِـقَـلْـبٍ سَـلِـيْـمٍ) اللہ تعالی کے پاس قلب سلیم لے کر آئیگا اور تباہی ہے (لِلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ) ان لوگوں کیلئے جن کے دل اللہ کے ذکر کے معاملے میں سخت ہو گئے ہوں. اور اس شخص سے جنت کا وعدہ ہے (مَــنْ خَشِــيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيْبٍ) جو غیب میں رحمان سے ڈرتا ہو اور جھکنے والا دل لے کر آیا ہو. یہ تمام امور ایک مومن کے لئے اس بات کو ناگزیر کر دیتے ہیں کہ وہ اپنے دل کو ٹٹولے، اور بیماری کے مقام اور مرض کے اسباب کا پتہ چلائے. اور زنگ کے غالب آجانے سے پہلے ہی علاج شروع کر دے تاکہ ہلاکت کا شکار ہونے سے بچ جائے. حقیقت یہ ہے کہ معاملہ بڑا سنگین اور حالت بہت خطرناک ہے اسی لئے اللہ تعالی نے ہمیں ایسے دل سے ڈرایا ہے جو سخت ہو، مقفل ہو، بیمار ہو، اندھا ہو، جس پر پردہ پڑا ہوا ہو، جو الٹا ہو گیا ہو، جس پر مہر اور ٹھپہ لگ گیا ہو.

ذیل میں ضعف ایمان کی بیماری کی علامتوں، اسباب اور علاج سے آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، ہم اللہ تعالی سے دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں اور ہمارے مسلمان بھائیوں کو اس عمل سے نفع پہونچائے. اور ان تمام لوگوں کو پورا پورا بدلہ عطا فرمائے جو اسکی نشر و اشاعت میں کسی بھی طرح سے حصہ لیتے ہوں. اور اسی کی ذات منزہ ہمارے دلوں میں نرمی پیدا کرنے والی اور ہمیں ہدایت دینے والی ہے یقیناً وہ بہترین

دستگیر و مددگار ہے، وہی ہمارے لئے کافی اور بہترین ضامن ہے.

اول ضعف ایمان کے مظاہر

ضعف ایمان کی بیماری کے متعدد اعراض و مظاہر اور علامتیں ہیں جن میں سے کچھ کا تذکرہ حسب ذیل ہے :

ا : ۔ معصیتوں میں آلودہ ہونا اور محرمات کا ارتکاب کرنا :

کچھ گنہگار ایسے ہوتے ہیں جو بڑے اصرار کے ساتھ گناہوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں. اور ان میں سے کچھ لوگ قسم قسم کی معصیتوں میں آلودہ ہوتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ گناہوں کے کثرت ارتکاب کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ انسان کی عادت کا ایک حصہ بن جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان کی قباحت اور برائی دلوں سے زائل ہو جاتی ہے، حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ایک نافرمان علی الاعلان گناہوں کا ارتکاب کرنے لگتا ہے اور بالآخر اس حدیث کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے کہ (**كل أمتى معافى إلا المجاهرين، وإن من المجاهرة أن يعمل الرجل بالليل عملاً ثم يصبح وقد ستره الله فيقول : يا فلان عملت البارحة كذا، و كذا، وقدبات يستره ربه ويصبح يكشف ستر الله عنه**) ۱۰/۴۸۶ ''علی الاعلان گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کے سوا میری امت کے تمام افراد عافیت میں ہیں اور یہ بھی علانیہ گناہ میں شامل ہے

کہ کوئی شخص رات میں کوئی کام کرے پھر صبح کو جبکہ اللہ تعالی نے اسکی پردہ پوشی فرمادی ہو یہ کہے کہ اے فلاں ! میں نے آج رات ایسا اور ایسا کیا ہے، اللہ تعالی نے تو رات بھر اسے چھپائے رکھا اور صبح کے وقت وہ اللہ تعالی کی چھپائی ہوئی چیز کا پردہ اپنے اوپر سے فاش کردیتا ہے.'' (بخاری مع فتح الباری : ۱۰/۴۸۶)

۲ : - دل کی سختی اور خشونت کا احساس : یہ کیفیت اس قدر شدید ہوجاتی ہے کہ آدمی اپنے دل کے متعلق یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کا دل ایک سخت اور چکنے پتھر میں تبدیل ہوگیا ہے کہ جس سے نا تو کوئی چیز ٹپکتی ہے نہ ہی اس پر کسی چیز کا اثر ہوتا ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے : ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوگئے. (البقرة : ۷۴)

جس شخص کا دل سخت ہوجاتا ہے اس پر نہ تو موت کی نصیحتوں کا کوئی اثر ہوتا ہے نہ ہی اموات اور جنائز کا دیکھنا اس پر کسی طرح سے اثر انداز ہوتا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ خود ہی جنازے کو اٹھائے اور مٹی میں دفن کرے مگر قبروں کے درمیان اس کا چلنا ایسے ہی ہوتا ہے جیسے وہ پتھروں کے درمیان چل رہا ہو.

۳ : - عبادتوں کا لاپرواہی اور بے قاعدگی سے انجام دینا:

اس کا ایک مظہر یہ ہے کہ نمازوں کے درمیان اور تلاوت قرآن اور دعاؤں کے وقت اس کا ذہن ادھر ادھر بھٹکتا رہتا ہے اور وہ اذکار کے مفہوم کے سلسلے میں کوئی غور و تدبر نہیں کرتا ہے، اور اگر ان کی پابندی بھی کرتا ہے تو بالکل روٹینی طور سے اکتائے ہوئے انداز میں انھیں پڑھتا رہتا ہے، اور اگر وہ کسی معین وقت میں سنت میں آئی ہوئی کسی مخصوص دعا کے پڑھنے کا عادی بھی ہوتا ہے تو وہ اس دعا کے معنی و مفہوم کو سمجھنے کی کوئی فکر نہیں رکھتا ہے جبکہ اللہ تعالی کا معاملہ یہ ہے کہ (...... **لا يقبل دعاء من قلب غافل لاہ**) وہ کسی ایسی دعا کو قبول نہیں کرتا جو کسی غافل اور لا پرواہ دل سے نکلتی ہو۔ (ترمذی: ۳۴۷۹، السلسلة الصحيحه : ۵۹۴)

۴ : - **ضعف ایمان کا ایک مظہر یہ ہے** کہ طاعتوں اور عبادتوں میں سستی کا مظاہرہ کیا جائے اور انھیں ضائع کر دیا جائے، اور اگر کسی طرح ان کی ادائیگی کر بھی دی جاتی ہے تو وہ ایسی حرکتوں سے عبارت ہوتی ہے جو روح سے خالی اور بے جان ہوتی ہیں، جبکہ اللہ تعالی نے منافقین کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا :

﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوا كُسَالٰى﴾ اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں (النساء : ۱۴۲)

خیر کے موسموں اور عبادتوں کے اوقات کی پرواہ نہ کرنا بھی اسی زمرے میں داخل ہے اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس شخص کے یہاں اجر کے حصول کا کوئی

اہتمام نہیں پایا جاتا، ایسا بھی ہوتا ہے کہ قدرت کے باوجود یہ شخص حج نہیں کرتا ہے، گھر میں بیٹھا رہتا ہے اور غزوہ کا وقت نکل جاتا ہے، نماز کی جماعت کھڑی رہتی ہے اور یہ پیچھے رہ جاتا ہے پھر جمعہ کی نماز بھی چھوڑ دیتا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

''(لایزال قوم یتأخرون عن الصف الأول حتى يخلفهم الله في النار)''

کچھ لوگ پہلی صف سے مسلسل پیچھے ہٹتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالی انہیں جہنم میں ڈال دے گا، (ابوداؤد : ۶۷۹، صحیح الترغیب : ۵۱۰)

اگر یہ شخص فرض نماز کے وقت سوتا رہ جائے تو اسے ضمیر کے کچوکوں کا احساس نہیں ہوتا ہے اسی طرح اگر کوئی سنت مؤکدہ یا اس میں سے کوئی ورد فوت ہو جائے تو اسکی قضا کی طرف راغب نہیں ہوتا، نہ ہی اسکے دل میں فوت شدہ چیزوں کا عوض پیدا کرنے کی کوئی خواہش پیدا ہوتی ہے، اسی طرح وہ ہر اس عمل کو قصدا فوت کرنے لگتا ہے جو سنت ہوتا ہے یا اس کا تعلق فرض کفایہ سے ہوتا ہے، بسا اوقات تو وہ عید کی نماز میں بھی حاضر نہیں ہوتا (حالانکہ بعض اہل علم کے نزدیک عید کی نماز میں حاضر ہونا واجب ہے) کسوف اور خسوف کی نماز تو پڑھتا ہی نہیں ہے، جنازے میں حاضری اور جنازے کی نماز پڑھنے کا اسکے یہاں کوئی اہتمام نہیں پایا جاتا، یہ اجر کے سلسلے میں بے رغبتی کا شکار ہوتا ہے اور ان لوگوں کے برعکس اجر وثواب کے سلسلے میں بے نیاز ہوتا ہے جنکا وصف اللہ تعالی نے

یوں بیان فرمایا ہے : ﴿اِنَّهُمْ كَانُوا يُسٰرِعُونَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ﴾ یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں لالچ طمع اور ڈر خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے". (الانبیاء : ۹۰)

اطاعتوں میں سستی کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ آدمی سنن موکدہ، قیام اللیل، مسجدوں کی طرف جلد جانے اور دیگر نوافل مثلاً نماز چاشت وغیرہ کے سلسلے میں سستی کا مظاہرہ کرتا ہے، یہ چیزیں اسکے تصور میں بھی نہیں آتی ہیں اور نماز توبہ اور نماز استخارہ وغیرہ تو بہت دور کی باتیں ہیں.

۵ : - **ضعف ایمان کا ایک نمونہ یہ ہے کہ** دل تنگ، مزاج بدلا بدلا اور طبیعت میں انقباض رہتا ہے اور حالت یہ ہوجاتی ہے کہ گویا آدمی کے اوپر کوئی بہت بڑا بوجھ رکھا گیا ہے جسکی وجہ سے وہ دبا جارہا ہے اور تنگ مزاجی کا مظاہرہ کرتا ہے ،اپنے اردگرد رہنے والے لوگوں کے تصرفات پر اسے تنگ دلی کا احساس ہوتا ہے اور اسکے نفس کی فیاضی اور نرمی ختم ہوجاتی ہے. حالانکہ نبی ﷺ نے ایمان کا وصف یوں بیان فرمایا ہے کہ :(**الایمان : الصبر والسماحة ۵۵۴**) ایمان صبر وسماحت یعنی سخاوت نفس کو کہا جاتا ہے" (السلسلة الصحيحه : ۵۵۴) اور مومن کا وصف یوں بیان

فرمایا کہ(یألف ویؤلف ولا خیر فیمن لا یألف ولا یؤلف)وہ مانوس ہوتا ہے اور مانوس کرتا ہےاوراس شخص کے اندر کوئی بھلائی نہیں ہوتی ہے جو نہ تو مانوس ہوتا ہے اور نہ مانوس کرتا ہے.(السلسلة الصحيحة :۴۲۷).

۶ : - ضعف ایمان کی ایک علامت یہ ہے کہ آدمی کے اوپر آیات قرآنی،اسکے وعدو وعید،امرونہی اور بیان قیامت کا کوئی اثرنہیں پڑتا ہے،جس کا ایمان کمزور ہوتا ہے وہ قرآن سننے سے اکتا جاتا ہے،تلاوت قرآن کا سلسلہ جاری نہیں رکھ پاتا ہے،جب جب قرآن کھولتا ہے قریب قریب اسے بند کردینے پر آمادہ نظر آتا ہے۔

۷ : - اسکی ایک علامت یہ ہوتی ہے کہ آدمی کے یہاں اللہ عزوجل کے ذکراوراس سے دعا کرنے کے سلسلے میں غفلت پائی جاتی ہے،ذکر کرنے والے پرذکر بھاری لگنے لگتا ہے.اوردعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہی فوراانہیں سمیٹ لیتا ہےاوراپنی راہ لیتا ہےجبکہ اللہ تعالی نے منافقین کا وصف یوں بیان فرمایا ہے : ﴿وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾اوریادالہی تو یونہی سی برائے نام کرتے ہیں (النساء : ۱۴۲)

۸ : - ایمان کی کمزوری کی ایک نشانی یہ ہے کہ جب اللہ تعالی کی مقرر کردہ حرمتوں کا پردہ چاک کیا جاتا ہےتو آدمی کو غصہ نہیں آتا ہے کیونکہ اس کے

دل میں غیرت کے شعلے بجھ چکے ہوتے ہیں لہذا انکار کے سلسلے میں اعضا و جوارح معطل ہوکر رہ جاتے ہیں پھر ایسا شخص نہ تو کسی بھلائی کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی کسی برائی سے روکتا ہے. اور اللہ عز و جل کے بارے میں اسکے چہرے کا رنگ کبھی نہیں بدلتا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ضعف کے شکار اس دل کا وصف حدیث صحیح میں یوں بیان فرمایا ہے :"دلوں پر فتنے چٹائی کی مانند تنکا تنکا کر کے پیش کئے جاتے ہیں، پھر جو دل انھیں پی لیتا ہے (یعنی یہ فتنے پورے طور سے اس میں داخل ہو جاتے ہیں) تو اس میں ایک کالا نقطہ پڑ جاتا ہے (پھر معاملہ یہاں تک پہونچ جاتا ہے جسکی خبر نبی ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں دی ہے)." کہ وہ سیاہ ہو جاتا ہے جس میں سفیدی کی معمولی سی آمیزش ہوتی ہے (یعنی خاکستری رنگ جیسا ہو جاتا ہے) کوزے کی مانند اوندھا ہو جاتا ہے، ان اخذ کئے ہوئے انحرافات کے سوا نہ تو کسی معروف کو پہچانتا ہے اور نہ ہی کسی منکر کا انکار کرتا ہے." (مسلم : ۱۴۴)

یہ ایسا شخص ہے جسکے دل میں معروف کی محبت اور منکر کی کراہیت زائل ہو چکی ہے. اسکے نزدیک تمام امور مساوی اور برابر ہیں، پھر کونسی چیز اسے امر اور نہی پر آمادہ کر سکتی ہے. بلکہ یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ روئے زمین پر کسی منکر کے ارتکاب کے بارے میں سنتا ہے تو اس پر راضی ہو جاتا ہے. جسکے نتیجے میں اسے بھی اسی شخص کی مانند گناہ ملتا ہے جو اسے

دیکھ کر مان لیتا ہے جیسا کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے حدیث صحیح میں بیان فرمایا ہے :(اذا عملت الخطيئة في الأرض كان من شهدها فكرهها - وقال مرة أنكرها - كمن غاب عنها، ومن غاب عنها فرضيها كان كمن شهدها) ”جب زمین میں کسی گناہ کا ارتکاب ہو اور جو شخص وہاں حاضر ہو اور اسے ناپسند کرے-اور ایک مرتبہ فرمایا اس کا انکار کرے-تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو اس سے غائب رہا ہو اور جو اس سے غائب رہا ہو اور اس پر اپنی رضا مندی کا اظہار کرے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو اسمیں حاضر رہا ہو.(ابوداؤد :۴۳۴۵،صحیح الجامع :٦٨٩) چنانچہ اس رضا مندی نے-جو دل کا عمل ہے-اسے گناہ میں اس شخص کے درجے میں لا کھڑا کیا ہے جو وہاں موجود رہا ہو.

۹ : - سرداری اور امارت کی خواہش رکھنا اور ذمے داری اور سنگینی کا اندازہ نہ لگانا، اور یہی وہ چیز ہے جسکے متعلق رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں تنبیہ فرمائی تھی :(إنكم ستحرصون على الامارة وستكون ندامة يوم القيامة فنعم المرضعة وبئس الفاطمة) ”تم امارت (سرداری) کی لالچ کرو گے اور یہ قیامت کے دن ندامت اور شرمندگی کا باعث ہوگی، یہ بڑی اچھی دودھ پلانے والی اور بہت بری دودھ چھڑانے والی ہے .(اچھی دودھ پلانے والی کا

مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسکی ابتدا اچھی ہوتی ہے کیونکہ اسکے ساتھ مال و مرتبہ اور لذت اندوزیوں کے مواقع ہاتھ آتے ہیں اور بری دودھ چھڑانے والی سے مراد اس کا آخر اور انجام ہے کیونکہ اسکے ساتھ قتل اور معزولی ہوتی ہے اور قیامت کے دن ذمہ داریوں کا مطالبہ ہوگا) اسے بخاری نے روایت کیا ہے ۶۷۲۹. اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں :(إن شئتم أنبأتكم عن الامارة وما هي، أولها ملامة، وثانيها ندامة، وثالثها عذاب يوم القيامة إلا من عدل)''اگر چاہو تو میں تمہیں امارت کے بارے میں بتادوں؟ اور وہ کیا ہے؟ اسکی ابتدا ملامت اور دوسرا موقع ندامت ہے اس کا تیسرا انجام قیامت کے دن کا عذاب ہے البتہ وہ لوگ اس سے مستثنی ہیں جو عدل قائم کریں.(الطبرانی فی الکبیر : ۷۲/۱۸، صحیح الجامع : ۱۴۲۰)

اگر بات یوں ہوتی کہ کوئی شخص ایسے مقام پر واجبات کی ادائیگی اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی پوری جدوجہد کیساتھ خیر خواہی کے جذبے اور عدل کیساتھ کوشش کررہا ہوتا جہاں اس سے افضل دوسرا کوئی شخص نہ ہوتا جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے کیا تو ہم کہتے سر آنکھوں پر.

مگر بیشتر اوقات میں صورت حال یہ ہوتی ہے کہ آدمی کے اندر پیشوائی کی اندھی خواہش انگڑائیاں لے رہی ہوتی ہے اور وہ اپنے سے افضل لوگوں کو پھلانگتا ہوا اور حق داروں

کے حقوق کو دباتا ہوا بڑی خودغرضی کے ساتھ امر و نہی کے مقام ومرکز پر براجمان ہو جاتا ہے.

☆ مجلس میں صدر نشینی کی الفت اور وہ کہیں اور سنا کرے کوئی کی خواہش، بولنا اور دوسروں کو سنتے رہنے پر مجبور کردینا، اور صاحب امر بن بیٹھنا. جبکہ یہی صدارتی مجلسیں اور نشستیں وہ محراب ہیں جن کے متعلق نبی ﷺ نے ہمیں تنبیہ فرمائی تھی : (اتقوا هذه المذابح - يعني المحاريب) ''ان ذبح گاہوں -یعنی محرابوں- سے بچو.(بیہقی ۲/۴۳۹،صحیح الجامع : ۱۲۰)

☆ اسکی خواہش رہتی ہے کہ جب وہ کسی مجلس میں جائے تو لوگ کھڑے ہو جائیں تاکہ اس کے بیمار نفس کے احساس برتری کو آسودگی اور تسکین حاصل ہو جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :(من سره أن يمثل له عبادالله قياماً فليتبوأ بيتاً من النار) ''جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ کے بندے اسکے حضور کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''.(بخاری فی الادب المفرد ۹۷۷، السلسة الصحيحه ۳۵۷).یہی وجہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن زبیر اور ابن عامر کے پاس تشریف لائے تو ابن عامر کھڑے ہو گئے اور ابن زبیر بیٹھے رہ گئے اور یہ دونوں میں زیادہ سنجیدہ اور باوقار تھے اور پختہ رائے والے تھے تب حضرت معاویہ نے ابن عامر سے کہا :بیٹھ جاؤ کیونکہ میں نے

رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے :(من أحب أن يمثل له الرجال قياماً فليتبو أمقعده من النار) ''جو شخص یہ چاہتا ہو کہ لوگ اسکے حضور کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''.(ابوداؤد ۵۲۲۹، بخاری فی الادب المفرد ۹۷۷، السلسة الصحیحه ۳۵۷)
اگر سنت کی پیروی کرتے ہوئے ان کے بجائے داہنی طرف سے کسی چیز کو شروع کردیا جائے تو ایسے لوگوں کو غصہ آجاتا ہے .اور اگر یہ کسی مجلس میں داخل ہوجائیں تو اس وقت تک خوش نہیں ہوسکتے جب تک کہ کوئی شخص اپنی جگہ ان کے لئے خالی کر کے کھڑا نہ ہوجائے جبکہ اس کے برعکس نبی ﷺ کی ممانعت موجود ہے:(لايقيم الرجل الرجل من مجلسه ثم يجلس فيه) ''کوئی شخص کسی شخص کو اسکی جگہ سے اٹھا کر اسمیں نہ بیٹھے''(بخاری مع فتح الباری ۱۱/۶۲).

۱۰ : – ضعف ایمان کی ایک علامت بخالت، حرص و آز اور خیر کے کاموں کے سلسلے میں تنگ دلی اور خودغرضی بھی ہے جبکہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں انصار کی مدح کرتے ہوئے فرمایا ہے : ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو.
(الحشر : ۹)
اور یہ بیان فرمایا ہے کہ کامیاب ہونے والے وہی لوگ ہیں جنہیں اپنے نفس کی تنگی اور

بخالت سے بچالیا گیا ہواور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایمان کی کمزوری سے قلب و نظر کی تنگی اور بخالت پیدا ہوتی ہے. بلکہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے : (لایجتمع الشح والایمان في قلب عبد أبداً) ''شح (یعنی حرص وآز، قلب و نظر کی تنگی اور بخالت) اور ایمان کسی بندے کے دل میں ہرگز جمع نہیں ہوسکتے.(نسائی المجتبی ۶/۱۳، صحیح الجامع ۲۶۷۸).

اور بخالت نفس کی سنگینی اور شخصیت پر اسکے اثرات کے متعلق نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے : (ایاکم والشح فانما هلک من کان قبلکم بالشح، أمرهم بالبخل فبخلوا وأمرهم بالقطعية فقطعوا وأمرهم بالفجور ففجروا) ''تم اپنے آپ کو بخالت نفس سے بچاؤ کیونکہ تم سے پہلے کے لوگ بخالت نفس کیوجہ سے ہلاک ہوگئے، اس نے انھیں کنجوسی کا حکم دیا تو انھوں نے کنجوسی کی اور رشتوں کے توڑنے کا حکم دیا تو انھوں نے رشتے توڑے اور انھیں فجور اور گناہوں کا حکم دیا تو انھوں نے فجور اور گناہ کئے.(ابوداؤد ۲/۳۲۴، صحیح الجامع ۲۶۷۸). اور کنجوسی کا معاملہ یہ ہے کہ کمزور ایمان والا شخص شاید و بائد ہی کوئی چیز اللہ کے واسطے نکالتا ہوگا. خواہ صدقات کے اسباب چیخ چیخ کر دعوت دے رہے ہوں اور اسکے مسلمان بھائی فاقہ کشی پر مجبور ہوں اور مصیبتوں نے انھیں اپنی گرفت میں لے رکھا ہو. اس ضمن میں اللہ تعالی کے کلام سے زیادہ بلیغ کوئی چیز نہیں ہوسکتی کہ وہ بزرگ و برتر مالک فرماتا ہے :﴿هَـٰأَنتُمْ هَـٰٓؤُلَآءِ

تُـدْعَـوْنَ لِتُـنفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَمِنْکُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَـنْ نَّفْسِہٖ وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَـکُـوْنُـوْٓا اَمْثٰلَکُمْ ﴾خبردار ! تم وہ لوگ ہو جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلائے جاتے ہو تو تم میں سے بعض بخیلی کرنے لگتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے وہ تو دراصل اپنی جان سے بخیلی کرتا ہے. اللہ تعالی غنی ہے اور تم فقیر ہو اور اگر تم روگردان ہو جاؤ تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا اور لوگوں کو لائے گا جو پھر تم جیسے نہ ہوں گے. (محمد : ۳۸)

۱۱ : — ایمان کی کمزوری کی ایک علامت یہ ہے کہ انسان وہ باتیں کہے جو وہ خود نہ کرتا ہو اللہ تعالی کا ارشاد ہے : ﴿یٰـاَیُّھَـا الَّـذِیْـنَ اٰمَـنُـوْا لِمَ تَـقُـوْلُـوْنَ مَـالَا تَـفْعَلُوْنَ. کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ﴾" اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ تعالی کو سخت ناپسند ہے." (الصف : ۳-۲).

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ ایک طرح کا نفاق ہے. اور جس شخص کا عمل اسکے قول کے مخالف ہوتا ہے وہ شخص اللہ کے نزدیک مذموم اور لوگوں کے نزدیک ناپسندیدہ قرار پاتا ہے. اور اہل جہنم اس شخص کی حقیقت کا پتہ چلا لیں گے جو دنیا میں لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتا تھا اور خود اچھا کام نہیں کرتا تھا اور انھیں برائیوں سے روکتا تھا جبکہ خود ان کا

ارتکاب کرتا تھا.

۱۲ : - **ایمان کمزور ہونے کی ایک نشانی یہ ہے** کہ جب مسلم بھائیوں کو کسی ناکامی، خسارہ، مصیبت یا زوال نعمت سے دوچار ہونا پڑتا تھا تو اسے خوشی وسرور حاصل ہوتا تھا.نعمتوں کے زائل ہونے کی وجہ سے اس کے اندر خوشی کا احساس بیدار ہوتا تھا کیونکہ وہ چیز جسکی بنیاد پر وہ دوسروں سے نمایاں ہوتا تھا وہ زائل ہوچکی ہے.

۱۳ : - **ضعف ایمان کا ایک مظہر یہ بھی ہے** کہ آدمی کسی معاملہ کو صرف اس حیثیت سے دیکھے کہ اسکے ارتکاب سے گناہ ہوگا یا نہیں ہوگا.اور فعل مکروہ سے چشم پوشی اختیار کرلے. چنانچہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو اعمال خیر کے متعلق نہیں پوچھتے ہیں بلکہ یہ پوچھتے ہیں کہ اس عمل کے انجام دینے سے کوئی گناہ لازم آئے گا یا نہیں؟ وہ چیز حرام ہے یا صرف مکروہ ہے؟اور یہ نفسیات انسان کو شبہات اور مکروہات کے پھندے میں پھنسا دیتی ہے.جسکا نتیجہ کسی نہ کسی دن محرمات کے ارتکاب کی صورت میں نکلتا ہے کیونکہ اس شخص کے پاس کسی مکروہ یا مشتبہ عمل کے ارتکاب میں جب تک کہ وہ حرام نہ ہو کوئی مانع نہیں ہوتا ہے،اور یہ بعینہ وہی بات ہے جسکی خبر نبی ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں دے رکھی ہے :(من وقع في الشبهات وقع في الحرام، كالراعي يرعى حول الحمى يوشك أن

يـرتع فيه......)''جو شخص شبہات میں پڑے گا وہ حرام میں جا پڑے گا،اس چرواہے کی مانند جو اپنے جانوروں کو چراگاہ کے اردگرد چراتا ہو قریب ہے کہ اسکے جانور اس میں چرنے لگیں .(یہ حدیث صحیحین میں ہیں اور الفاظ مسلم کے ہے ۱۵۹۹) بلکہ بعض لوگوں کی حالت تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کے متعلق فتوی لیتے ہیں اور انھیں بتایا جاتا ہے کہ یہ چیز حرام ہے تو وہ یہ پوچھنے لگتے ہیں کہ آیا اس کی حرمت شدید ہے یا نہیں؟ اور اس پر کتنا گناہ مرتب ہوگا؟ اس طرح کے لوگوں کے یہاں منکرات اور سیئات سے دور رہنے کا کوئی اہتمام نہیں پایا جاتا ہے بلکہ ان کے پاس حرام کے پہلے درجے اور چھوٹے گناہوں کی تحقیر کی استعداد پائی جاتی ہے جسکے نتیجے میں اللہ تعالی کی حرمتوں پر جرأت پیدا ہوتی ہے اور ان کے اور معصیت کے درمیان جو روکاوٹیں پائی جاتیں ہیں وہ دور ہو جاتی ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ حدیث صحیح میں فرماتے ہیں :(لأ علـمـن أقواماً من أمتي يا تون يـوم الـقيـامة بـحسـنـات أمثال تهامة بيضاً فيجعلها الله عزوجل هباء منثورا)''میں اپنی امت میں کچھ ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت کے دن تہامہ کی پہاڑیوں کی مانند روشن نیکیاں لے کر حاضر ہوں گے پھر اللہ تعالی انھیں اڑتی ہوئی ریت کے ذرات میں بدل دے گا : حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں اے اللہ کے رسول آپ ہمیں ان کی صفات بتایئے؟

ہمارے لئے ان کی حقیقت واضح فرمادیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ لاعلمی میں ہم بھی انہیں میں سے ہو جائیں آپ نے فرمایا: (أما أنهم اخوانكم ومن جلدتكم ويأخذون من الليل كما تأخذون ولكنهم أقوام اذا خلو بمحارم الله انتهكوها) آگاہ ہو جاؤ کہ وہ تمہارے ہی بھائیوں میں سے ہوں گے اور تمہارے ہی ابنائے جنس ہوں گے وہ بھی اسی طرح رات میں عبادتیں کریں گے جیسا کہ تم کرتے ہو، لیکن یہ ایسے لوگ ہوں گے کہ جب انہیں اللہ کی حرمتوں کے ساتھ تنہائی میسر آئے گی تو وہ انھیں پامال کرڈالیں گے. (ابن ماجہ ۴۳۲۴، زوائد میں فرمایا کہ اسکی سند صحیح ہے اور اسکے رجال ثقہ ہیں. اور یہ صحیح الجامع ۵۰۲۸ میں ہے)

آپ انہیں پائیں گے کہ یہ بغیر کسی تحفظ اور تردد کے حرام کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں اور یہ ان لوگوں سے بدتر ہیں جو تردد اور حرج محسوس کرنے کے بعد حرام کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ دونوں قسم کی شخصیتیں خطرے میں ہیں مگر پہلی قسم کے لوگ دوسری قسم کے مقابلے میں بدتر ہیں، اور اس قسم کے لوگ اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے گناہوں کو بہت ہی سہل اور آسان سمجھ لیتے ہیں اور انہیں اپنا کوئی بھی عمل منکر نظر نہیں آتا ہے. اسی لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مومن اور منافق کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا: (إن المؤمن يرى ذنوبه كأنه قاعد تحت جبل يخاف أن يقع عليه، وان الفاجر يرى ذنوبه كذباب مر على أنفه فقال به هكذا)''مومن تو اپنے

گناہوں کے متعلق یہ سمجھتا ہے گویا کہ وہ کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے جسکے اپنے اوپر گر جانے کا اندیشہ ہے جبکہ فاجر اپنے گناہوں کے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ گویا اسکی ناک پر مکھیاں بیٹھ رہی ہیں جنہیں وہ یوں اڑا دیتا ہے.'' یعنی انھیں اپنے ہاتھوں سے بھگا دیتا ہے. (بخاری مع فتح الباری ۱۱/۱۰۲، اور دیکھئے تغلیق التعلیق ۵/۱۳۶ المکتب الاسلامی).

۱۴ : - ضعف ایمان کی ایک علامت یہ ہے کہ نیکیوں اور بھلائیوں کو معمولی اور حقیر سمجھا جائے اور چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا کوئی اہتمام نہ کیا جائے جبکہ نبی ﷺ نے تو ہمیں یہ سکھایا تھا کہ ہم کو ایسا نہیں ہونا چاہئیے ، چنانچہ امام احمدؒ نے ابو جري الخريمي سے روایت کی ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا : اے اللہ کے رسول ہم دیہاتی لوگ ہیں لہذا آپ ہمیں کوئی ایسی چیز سکھا دیجئے جس سے اللہ تبارک وتعالی ہمیں نفع پہونچائے. آپ نے فرمایا : (لاتحقرن من المعروف شيئاً ولو أن تفرغ من دلوك في إناء المستقي، ولو أن تكلم أخاك ووجهك إليه منبسطاً)''تم کسی نیکی کو معمولی اور حقیر نہ سمجھو خواہ اتنا ہی کیوں نہ ہو کہ اپنی بالٹی سے کسی پیاسے کے برتن میں پانی ہی ڈال دو، یا اپنے کسی بھائی کے ساتھ خوش روئی سے بات کرلو'' (مسند احمد ۵/۶۳، السلسلة الصحيحه ۱۳۵۲).

چنانچہ اگر کوئی شخص کنویں سے پانی حاصل کرنے آئے اور آپ اپنی بالٹی نکال چکے ہوں

اوراس سے پانی اس شخص کے برتن میں ڈالدیں تو اگر چہ یہ عمل ظاہری اعتبار سے چھوٹا ہے مگراسے معمولی اور حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے ، اسی طرح کسی بھائی کے ساتھ بشاشت اور خوش مزاجی سے ملنا، مسجد سے کچرااور گندگی صاف کر دینا خواہ وہ کسی نباتات کا سوکھا ہوا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہوتو ہوسکتا ہے کہ یہی عمل مغفرت کا سبب بن جائے اوررب بندے کے اس عمل سے خوش ہوکر اسکی بخشش فرمادے، کیا آپ کونہیں معلوم کہ نبی ﷺ نے فرمایا :(مررجل بغصن شجرة على ظهر طريق فقال : والله لأنحين هذا عن المسلمين لا يؤذيهم فأدخل الجنة) ''ایک شخص کسی راستے پر پڑی ہوئی ایک درخت کی شاخ کے پاس سے گزراتو اس نے کہا : واللہ میں اسے مسلمانوں سے دور کردوں گا انھیں تکلیف دینے کے لئے نہیں چھوڑوں گا تو اللہ تعالی نے اسے جنت میں داخل کردیا'' (مسلم : ۱۹۱۴)

جوشخصیت چھوٹی چھوٹی نیکیوں اور بھلائی کے کاموں کومعمولی اور حقیر سمجھتی ہو اسکے اندر برائی اور خلل ہےاور چھوٹی نیکیوں کی تخفیف واہانت کی یہی سزا کافی ہے کہ آدمی اتنی عظیم فضیلت سے محروم ہوجاتا ہےجسکی رہنمائی نبی ﷺ نے فرمائی ہے کہ:(من أماط أذى عن طريق المسلمين كتب له حسنة ومن تقلبت له حسنة دخل الجنة)''جوشخص مسلمانوں کی راہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹادے تو اس کے لئے ایک

نیکی لکھی جاتی ہے اور جس کی ایک نیکی قبول ہوگئی وہ جنت میں داخل ہوگا'' (بخاری فی الادب المفرد : ۵۹۳،السلسة الصحیحه : ۵/۳۸۷)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ ایک شخص کے ساتھ چل رہے تھے انہوں نے راستے سے ایک پتھر اٹھادیا تو اس شخص نے کہا یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ : (من رفع حجراً من الطريق كتب له حسنة ومن كانت له حسنة دخل الجنة)''جو شخص راستے سے کوئی پتھر اٹھادے اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جسکی ایک نیکی ہوگی وہ جنت میں داخل ہوگا'' (المعجم الكبير للطبرانی ۱۰/۱۰۱،السلسلة الصحيحه : ۵/۳۸۷).

۱۵ : — مسلمانوں کے معاملات کا اہتمام نہ کرنا، نہ ہی دعا اور صدقہ اور اعانت کے ذریعہ ان میں کسی سرگرمی کا مظاہرہ کرنا، اطراف واکناف عالم میں دشمن کے تسلط، غلبہ، ظلم واستبداد اور مختلف قسم کے شکار اپنے بھائیوں کے سلسلے میں اس کا احساس بالکل یخ اور ٹھنڈا ہوتا ہے، اسے تو بس اپنی سلامتی کی فکر ہوتی ہے، یہ ایمان کی کمزوری کا نتیجہ ہے، کیونکہ مؤمن اسکے برعکس ہوتا ہے، نبی ﷺ فرماتے ہیں :(إن المؤمن من أهل الإيمان بمنزلة الرأس من الجسد، يألم المؤمن لأهل الإيمان كما يألم الجسد لما في الرأس) ''مؤمن کے یہاں اہل ایمان کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو جسم کے نزدیک سر کی ہوتی ہے، مومن اہل ایمان کے

لئے ایسا درد رکھتا ہے جیسا کہ سر میں ہونے والی تکلیف جسم کو محسوس ہوتی ہے" (مسند احمد ۵/ ۳۴۰، السلسلة الصحيحة: ۱۱۳۷)

۱۶ : - ضعف ایمان کا ایک مظہر یہ ہے کہ دو دوستوں کی اخوت کے کڑے جدا جدا ہو جائیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :**(ما تواد اثنان في الله عزوجل أو في الاسلام فيفرق بينهما أول ذنب (وفي رواية : ففرق بينهما الا بذنب) يحدثه أحدهما)** جب دو آدمی اللہ عزوجل کے لئے یا اسلام کی وجہ سے محبت کرتے ہیں تو ان کے درمیان جدائی پہلے گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے. اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ان دونوں کے درمیان جدائی کسی ایسے گناہ ہی کی وجہ سے ہوتی ہے جس کا ارتکاب ان دونوں میں سے کوئی ایک کرتا ہے (بخاری فی الادب المفرد ۴۰۱، مسند احمد ۲/ ۶۸، السلسلة الصحيحة :۶۳۷) یہ گناہوں کی نحوست کی دلیل ہے جو کبھی کبھی دوستی کے لمبے روابط کو توڑ ڈالتی ہے، اور آدمی کبھی کبھی اپنے اور اپنے بھائیوں کے درمیان جو وحشت پاتا ہے وہ گناہوں کے ارتکاب کے سبب ایمان کی پستی کا نتیجہ ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالی نافرمان اور گنہگار کو اپنے بندوں کے دلوں سے گرا دیتا ہے، چنانچہ وہ ان کے درمیان بدترین زندگی گزارتا ہے اسکی قدر و منزلت گر جاتی ہے، حالت پست ہو جاتی ہے اور اسکی کوئی حرمت نہیں رہ جاتی ہے، اسی طرح وہ مومنوں کی رفاقت اور اللہ کے دفاع سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، کیونکہ اللہ تعالی تو مومنوں کا دفاع فرماتا ہے.

۱۷ : - اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ آدمی کے اندر اس ذمہ داری کا احساس مفقود ہو جاتا ہے کہ اسے اس دین کے لئے کچھ کرنا ہے، چنانچہ نہ تو وہ اسکی نشر و اشاعت کی کوشش کرتا ہے اور نہ ہی دین کی کوئی خدمت انجام دیتا ہے. جبکہ نبی ﷺ کے صحابہ کا معاملہ اسکے بالکل برعکس تھا جو دین میں داخل ہوتے ہی فوری طور پر اپنے آپ کو احساس ذمہ داری سے بوجھل پاتے تھے، یہ طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں ان کے اسلام لانے اور اپنے قوم کے اندر دعوت الی اللہ کا کام انجام دینے کی خاطر جانے میں کتنا وقفہ ہے؟ وہ تو فوراً ہی اپنی قوم کو دعوت دینے کے لئے چلے گئے تھے اور اس دین میں داخل ہونے کے ساتھ ہی ان کے اندر یہ احساس پیدا ہو گیا تھا کہ انھیں اپنی قوم کی طرف پلٹنا ہے، چنانچہ وہ ایک داعی الی اللہ کی حیثیت سے اپنی قوم کی طرف پلٹ آئے، جبکہ آج کے زمانے میں بہت سے لوگوں کے دین دار بننے اور دعوت الی اللہ کے مرحلے تک پہونچنے میں لمبی لمبی مدتیں گزر جاتی ہیں.

محمد ﷺ کے صحابہ کفار دشمنی، ان سے برأت اور ان کے بائیکاٹ اور قطع تعلق سے متعلق دین میں داخل ہونے کے تمام تقاضوں کو پورا کیا کرتے تھے، یہ اہل یمامہ کے سردار حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ ہیں جب انھیں قید کر کے لایا گیا اور مسجد میں باندھ دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا پھر اللہ تعالی نے ان کے دل

میں نورڈالدیا تو انھوں نے اسلام قبول کرلیا اور عمرہ کے لئے تشریف لے گئے جب مکہ پہونچ گئے تو انھوں نے کفار قریش سے کہا : ”تمہارے پاس یمامہ سے اس وقت تک گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں پہونچ سکتا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کے بارے میں اجازت نہ دیدیں“ (بخاری مع فتح الباری ۸/ ۸۷) ان کی جانب سے اقتصادی طور پر کفار کا مقاطعہ ومحاصرہ اور تمام تر میسر امکانیات کا دعوت کی خدمت کے لئے پیش کردینا فوری طور پر روبہ عمل آگیا کیونکہ ان کا ایمان پختہ تھا جو اس عمل کی بنیاد بنا.

۱۸ : — اسکی ایک نشانی یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے یا کوئی مشکل پیدا ہوجاتی ہے تو آدمی گھبراہٹ اور خوف کا شکار ہوجاتا ہے. اسکی بلبلی کانپنے لگتی ہے، توازن بگڑ جاتا ہے، ذہن منتشر ہوجاتا ہے اور آنکھیں نکل پڑتی ہیں. جب کسی ناگہانی یا مصیبت کا شکار ہوتا ہے تو اپنے معاملے میں متحیر ہوکر رہ جاتا ہے، اسے باہر نکلنے کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا، اسکے ذہن پر افکار کا ہجوم ہوتا ہے، وہ دل کی مضبوطی اور ثابت قدمی کے ساتھ صورت حال کا سامنا نہیں کرپاتا ہے. یہ ساری کیفیتیں ضعف ایمان کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں. اگر اس کا ایمان صحیح ہوتا تو وہ ثابت قدم رہتا اور بڑی سے بڑی مصیبتوں اور سخت سے سخت آزمائشوں کا پوری قوت اور ثبات کے ساتھ سامنا کرتا.

۱۹ : - اسکی ایک نشانی یہ ہے کہ آدمی کثرت کے ساتھ بحث ومباحثہ اور جدال وتکرار کا عادی ہوجاتا ہے، جسکی وجہ سے دل سخت ہوتا ہے. نبی علیہ الصلوۃ والسلام حدیث صحیح میں فرماتے ہیں:(ماضل قوم بعد هدى كانوا عليه اِلا أتو الجدل)''کوئی قوم ہدایت کے بعد اس وقت تک گمراہ نہ ہوئی جب تک کہ اس نے بحث وتکرار کی راہ نہ اپنائی (مسند احمد ۵/۲۵۱، صحیح الجامع :۵۶۳۳) بلاقصد صحیح بحث ومباحثہ کرنا صراط مستقیم سے دوری کا سبب ہوتا ہے آج کے زمانے میں باطل کی بنیاد پر بحث و مباحثہ کرنا لوگوں کے درمیان کس قدر بڑھ گیا ہے کہ لوگ علم ہدایت اور کتاب منیر سے خالی ہوکر بحث ومباحثہ کرنے لگے ہیں، حالانکہ اس بری خصلت کو چھوڑنے کے لئے نبی ﷺ کے اس ارشاد کو کافی سبب بن جانا چاہئیے (أنا زعيم بيت في ربض الجنة لمن ترک المراء وإن كان محقاً) میں اس شخص کے لئے جنت کے ایک گوشے میں ایک گھر کا ضامن ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود بحث وتکرار چھوڑ دے'' (ابوداؤد ۵/۱۵۰ صحیح الجامع ۱۴۶۴)

۲۰ : - اس کا ایک مظہر یہ ہے کہ دنیا سے تعلق جوڑ لیا جائے، آدمی اس کا عاشق ہوجائے، اوراسی کا ہورہے، دنیا سے دل کا تعلق اس درجہ پہونچ جائے کہ اگر سامان دنیا مال وجاہ منصب ومسکن میں سے کوئی چیز ہاتھ سے جاتی رہے تو آدمی تکلیف اور الم کا

شکار ہو جائے اور اپنے آپ کو خائب وخاسر اور بد قسمت سمجھنے لگے کیونکہ اسے وہ چیزیں نہیں حاصل ہو سکی ہیں جو دوسروں کو مل گئیں ہیں، اور یہ درد وانقباض اس وقت اور بڑھ جاتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ سامان دنیا میں سے اسکے کسی مسلم بھائی کو وہ چیزیں حاصل ہو چکی ہیں جو اسے نہیں ملی ہیں، اور کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اس سے حسد کرنے لگتا ہے اور اسکی نعمتوں کے زائل ہو جانے کی تمنا کرنے لگتا ہے. جبکہ یہ چیز ایمان کے منافی ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا :(**لا يجتمعان في قلب عبد الايمان والحسد**) ''کسی بندے کے دل میں ایمان اور حسد جمع نہیں ہو سکتے ہیں''.(ابوداؤد : ۱۵۰/۵،صحیح الجامع ۱۴۶۴)

۲۱ : — انسان کی گفتگو اور اسکے اسلوب پر خالص عقلیت کی چھاپ پڑ جائے اور ایمان کی رمق مفقود ہو جائے یہاں تک کہ اس شخص کی گفتگو میں قرآن و سنت کے نصوص اور سلف رحمہ اللہ کے کلام کا کوئی اثر نہ پایا جائے.

۲۲ : - کھانے، پینے، پہننے اور سواری کے سلسلے میں اپنی شخصیت کا مبالغہ کی حد تک اہتمام کیا جائے. ایسے لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ ان کہ یہاں کمالیات کا انتہائی اہتمام پایا جاتا ہے، یہ اپنا حلیہ چمکانے میں لگے رہتے ہیں، عمدہ وشفاف لباس کی خریداری، گھر کی آرائش وزیبائش میں اپنے آپ کو تھکا ڈالتے ہیں اور ان نمائشی امور کے سلسلے میں اپنا

مال اور وقت خرچ کرتے رہتے ہیں حالانکہ اسکی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں ہوتی ہے جبکہ ان کے مسلمان بھائیوں میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اس مال کے شدید طور پر محتاج ہیں. یہ حضرات انہیں تمام امور میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ عیش کوشی اور حد سے بڑھی ہوئی تن پروری اور ناز و نعم میں غرق ہو جاتے ہیں. جس سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ جب نبی ﷺ نے انھیں یمن کی طرف بھیجا اور وصیت کی تو فرمایا :(إياك والتنعيم، فان عباد الله ليسوا بالمتنعمين)" اپنے آپ کو عیش کوشی اور ناز و نعم سے بچانا کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوش اور ناز و نعم کی زندگی گزارنے والے نہیں ہوتے ہیں" (ابو نعیم فی الحلیہ ۵/۱۵۵، السلسلة الصحيحه ۳۵۳، و مسند احمد ۵/۲۴۳ اسمیں ایاک کے بجائے ایای کا لفظ ہے)

دوم

ضعف ایمان کے اسباب

ضعف ایمان کے بہت سے اسباب ہیں ان میں سے کچھ تو اعراض اور علامتوں کے ساتھ مشترک ہیں جیسے معصیتوں اور گناہوں کا ارتکاب کرنا اور دنیا میں مشغول ہو جانا وغیرہ.

ذیل میں ہم بیان کردہ امور کے علاوہ مزید چند اسباب کا تذکرہ کر رہے ہیں :

۱ : - بہت دن تک ایمانی فضاؤں سے دور رہنا: یہ چیز نفس کے اندر ایمان کو کمزور کر دیتی ہے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے : ﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾ کیا اب تک ایمان والوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الٰہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے نرم ہو جائیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی. پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں بہت سے فاسق ہیں. (الحدید : ۱۶)

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ طویل وقت تک ایمانی فضاؤں سے دور رہنا دل کے اندر ایمان کی کمزوری کا باعث ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص جب کسی سفر یا ملازمت وغیرہ کے سلسلے میں ایک لمبی مدت تک اپنے اللہ والے بھائیوں سے دور ہو جاتا ہے تو وہ اس ایمانی فضا کو گم کر بیٹھتا ہے جسکے سائے میں وہ نعمت اور آرام کی زندگی گزار رہا ہوتا ہے. اور اس سے اپنے دل کی تقویت کا سامان کرتا رہتا ہے. کیونکہ مؤمن اپنی ذات سے تو تھوڑا مگر اپنے بھائیوں سے بہت ہوتا ہے، حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ : ''ہمارے دوست ہمارے نزدیک اہل وعیال سے بھی زیادہ قیمتی ہیں، کیونکہ ہمارے اہل وعیال تو

ہمیں دنیا کی یاد دلاتے رہتے ہیں اور ہمارے دوست ہمیں آخرت کی یاد دلاتے ہیں، اس دوری کا سلسلہ اگر جاری رہے تو ایک ایسی وحشت پیدا ہو جاتی ہے جو ایک زمانے کے بعد ان ایمانی فضاؤں سے نفرت میں بدل جاتی ہے، اس کے بعد دل میں تاریکی پیدا ہو جاتی ہے اور ایمان کا نور ماند پڑ جاتا ہے. اس تفصیل سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ بعض لوگ جب چھٹیوں میں سفر کرتے ہیں یا ملازمت یا پڑھائی کے سلسلے میں دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں تو ان کے اندر تبدیلی کیوں پیدا ہو جاتی ہے؟

۲ : — **قابل نمونہ شخصیت سے دوری**، جو شخص کسی نیک آدمی کے ہاتھوں تعلیم پاتا ہے تو اسے علم نافع عمل صالح اور قوت ایمان ان تمام چیزوں کا فائدہ حاصل ہوا کرتا ہے کیونکہ وہ شخص اسکی نگہداشت کرتا رہتا ہے اور خود اپنے علم اور اخلاق اور فضائل سے اسکے لئے مہمیز کا کام دیتا رہتا ہے، اگر ایک عرصے تک اس سے دوری ہو جاتی ہے تو متعلم اپنے دل میں سختی محسوس کرنے لگتا ہے، اسی لئے جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور انھیں دفن کر دیا گیا تو صحابہ نے کہا : ہم نے اپنے دلوں کو بدلا ہوا پایا : وہ سب وحشت کا شکار ہو گئے تھے کیونکہ مربی و معلم اور قدوہ علیہ الصلوۃ والسلام کی وفات ہو چکی تھی. اور بعض آثار

میں بھی ان کا وصف بیان کیا گیا ہے کہ ان کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسی بارش والی

سرداراتوں میں بکریوں کی ہوتی ہے، مگر نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے پیچھے جن لوگوں کو چھوڑا تھا ان میں کئی ایک پہاڑ جیسی حیثیت رکھتے تھے جو تمام کے تمام جانشینی کے لائق تھے لہذا ان میں سے بعض بعض کے لئے قابل نمونہ بن گئے، مگر آج تو مسلم کو اس بات کی شدید ترین حاجت ہے کہ اس کے پاس کوئی ایسی شخصیت ہو جو قابل نمونہ ہو.

۳ : - **انھیں اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے** کہ آدمی علم شرعی کی طلب سے دور ہو جائے سلف کی کتابوں اور ان ایمانی کتابوں سے اس کا رشتہ ٹوٹ جائے جو دلوں کو زندہ کرتی ہیں، کیونکہ بہت سے کتابیں ایسی ہوتی ہے جن کے متعلق پڑھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اس کے دل میں ایمان کو بیدار کر رہی ہیں.اور ان کے نفس میں چھپے ہوئے ایمان کے محرکات کو سرگرم کر رہی ہیں، ان میں سرفہرست اللہ تعالی کی کتاب اور حدیث کی کتابیں ہیں، پھر ان علماء کی کتابیں ہیں جو وعظ اور رقائق کے سلسلے میں مہارت رکھتے تھے. جو عقیدے کو ایسے اسلوب میں پیش کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں جس سے دلوں کو زندگی ملتی ہے جیسے علامہ ابن قیم اور ابن رجب وغیرہ کی کتابیں، اس طرح کی کتابوں سے دور ہو جانا اور محض فکری کتابیں پڑھنا یا ان احکام کی کتابیں پڑھنا جو دلائل سے خالی ہوتی ہوں اور مثلا کتب لغت اور اصول وغیرہ میں غرق ہو جانا، ان امور میں سے ہے جو کبھی کبھی دل میں سختی پیدا کر دیتے ہیں، اس کا

مطلب کتب لغت یا اصول کی مذمت نہیں ہے بلکہ یہ اس شخص کو تنبیہ کی جارہی ہے جو کتب تفسیر اور حدیث سے اعراض کرتا ہو، ایسا انسان شاذ ونادر ہی ان کتابوں کو پڑھتا ہے حالانکہ یہی وہ کتابیں ہیں جو دل کو اللہ عزوجل کے ساتھ جوڑے رکھتی ہیں. چنانچہ مثال کے طور پر اگر آپ صحیحین کا مطالعہ کرنے لگیں تو ایسا محسوس ہوگا کہ صحابہ کرام اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عصر اول میں زندگی گزار رہے ہیں، اور ان کی سیرت اور زندگی اور ان کے زمانے میں رونما ہونے والے واقعات سے باد ایمانی کے جھونکے آرہے ہیں.

اهل الحديث هم اهل الرسول وان

لم يصحبوا نفسه انفاسه صحبوا

''اہل حدیث ہی درحقیقت رسول والے ہیں اگر چہ انہوں نے آپ کی ذات کی صحبت نہیں پائی ہے مگر انہیں آپ کے الفاظ کی صحبت ملی ہے''

اس سبب - یعنی ایمانی کتابوں سے دوری - کے اثرات ان لوگوں پر کھلے طور سے نظر آئیں گے جو ایسی چیزیں پڑھتے رہتے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسے فلسفہ، علم نفس واجتماع وغیرہ جو ان موضوعات سے متعلق ہیں جو اسلام سے الگ تھلگ ہیں. یہی معاملہ ان لوگوں کا بھی ہوتا ہے جو تخیلاتی، رومانی اور عشقیہ کہانیوں کے عاشق

ہوتے ہیں، اسی زمرے میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو جرائد و مجلات اور روزناموں وغیرہ سے غیر نفع بخش خبروں کے پیچھے پڑے رہنے کے شائق ہوتے ہیں اور بڑے اہتمام اور تسلسل کے ساتھ ان کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں.

۴ :- کسی مسلمان کا ایسے معاشرہ کے درمیان رہنا

جو گناہوں سے بھرا ہوا ہو، کوئی ادھر گناہوں پر فخر کر رہا ہوا اور کوئی ادھر گانوں کے بول گنگنا رہا ہو، تیسرا سگریٹ پی رہا ہو تو چوتھا کوئی فحش لٹریچر کھولے بیٹھا ہو، اور پانچویں کی زبان پر لعنتوں اور گالی گلوچ کا سیلاب آیا ہوا ہو. ہر طرف قیل وقال ،غیبت، چغلخوری اور میچ کی خبروں کے مناظر جابجا اس کثرت سے پھیلے ہوئے ہوں کہ جن کا شمار نہ کیا جا سکتا ہو، بعض حلقے تو ایسے ہوتے ہیں جہاں دنیا کے سوا کوئی اور ذکر ہی نہیں ہوتا جیسا کہ آج کی اکثر نشستوں اور دفتروں کا حال ہے، چنانچہ تجارت ،ملازمت، اموال، سرمایہ کاری، کام کی مشکلات، الاؤنس، بونس، ترقی، پرموشن، ڈیلیگیشن، وغیرہ یہی تمام امور ہیں جو آج کے بیشتر لوگوں کی توجہ اور گفتگو کا مرکز بنتے ہیں.

اب رہا معاملہ گھروں کا تو نہ پوچھئے بس اللہ ہی خیر کرے. یہ تو طرح طرح کی مصیبتوں اور منکرات کی آماجگاہ بن کر رہ گئے ہیں. جن سے ایک مسلم کی جبین ندامت سے جھک

جاتی ہے اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے. فحش اور بے حیائی پر مشتمل گانے، عریاں فلمیں، مردوں اور عورتوں کا اختلاط محرم اور اس طرح کی چیزوں سے مسلمانوں کے گھر بھرے ہوئے ہیں. بلاشبہ اس طرح کے معاشروں میں دل بیماریوں کا شکار ہو کر سخت ہو جاتے ہیں.

۵ : - دنیا کی مشغولیتوں میں اس قدر غرق ہو جانا کہ دل اس کا بندہ بن کر رہ جائے جبکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں : (تعس عبد الدنیا، وعبد الدرهم) ''برباد ہو دینار کا بندہ اور درہم کا بندہ'' (بخاری ۲۷۳۰) آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام یہ بھی فرماتے ہیں : (إنما یکفي أحدکم ما کان في الدنیا مثل زاد الراکب) ''تم میں سے کسی کے لئے دنیا کی اتنی ہی چیز کافی ہے جو سوار کی زادراہ جیسی ہو'' (طبرانی فی الکبیر : ۴/۷۸، صحیح الجامع : ۲۳۸۴) مراد یہ ہے کہ تھوڑی چیز جو مقصود تک پہونچا دے وہ کافی ہے، یہ صورت حال آج کے ایام میں بہت واضح ہے جہاں مادی لالچ اور دنیا کی متاع حقیر کو زیادہ سے زیادہ بٹور لینے کے سلسلے میں حد سے زیادہ بڑھی ہوئی لالچ اور حرص کا دور دورہ ہے اور تجارتوں، صناعتوں اور حصص کے پیچھے لوگوں کی دوڑ لگی ہوئی ہے اور یہ چیز بالکل اس خبر کے مصداق ہے جو نبی ﷺ نے دے رکھی ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا : (إن الله عزوجل قال : إنا أنزلنا المال

لإقام الصلاة وإيتاء الزكاة ولو كان لا بن آدم واد لأحب أن يكون إليه ثان ولو كان له واديان لأحب أن يكون إليهما ثالث، ولا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب ثم يتوب الله على من تاب)''ہم نے مال نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کے لئے نازل کیا ہے، اور اگر ابن آدم کے پاس ایک وادی ہوتو وہ چاہے گا کہ اس کے پاس دوسری بھی ہوجائے اور اگر اس کے پاس دو وادیاں ہوں تو وہ چاہے گا کہ ان کے ساتھ تیسری بھی ہوجائے اور ابن آدم کے پیٹ کو تو مٹی ہی بھر سکتی ہے پھر اللہ تعالی اسی شخص کی توبہ قبول کرے گا جو توبہ کرے گا'' (احمد ۵/ ۲۱۹، صحیح الجامع : ۱۷۸۱).

۶ : — اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ آدمی مال و دولت اور بیوی بچوں میں مشغول ہوکر رہ جائے. اللہ عز وجل فرماتا ہے : ﴿وَاعْلَمُوْآ اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ اورتم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے. (الانفال : ۲۸) اور فرماتا ہے : ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾ مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لئے مزین کردی گئی ہے، جیسے عورتوں اور بیٹے اور سونے چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشاندار گھوڑے اور

چوپائے اور کھیتی یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانہ تو اللہ تعالی کے پاس ہے''.(آل عمران :۱۴)

اور اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ان چیزوں کی محبت جن میں سرفہرست عورتیں اور بچے ہیں اگر اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت پر مقدم ہو تو قبیح ہے اور ایسا کرنے والا قابل مذمت ہے ہاں اگر ان کی محبت متعین کردہ شرعی طریقے کے مطابق اللہ کی اطاعت پر ہو تو ایسا کرنے والا قابل تعریف ہے،اور نبی ﷺ نے فرمایا تھا :(حبب إلیّ من الدنیا النساء والطیب وجعل قرة عیني في الصلاة)''دنیا کی مجھے دو ہی چیزیں محبوب ہیں عورتیں اور خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک کو نماز میں مقرر کیا گیا ہے''(احمد ۳/ ۱۲۸،صحیح الجامع :۳۱۲۴).

اور بہت سے لوگ حرام چیزوں میں بھی بیوی اور بچوں کی خواہش کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں اور انھیں اللہ تعالی کی اطاعت کا کوئی خیال نہیں رہتا ہے جبکہ نبی ﷺ نے فرمایا :(الولد محزنة مجبنة مجهلة مبخلة)''اولاد غم زدہ کردینے والی، بزدل بنادینے والی جہالت اور بخالت پر آمادہ کردینے والی ہوتی ہے''(طبرانی فی الکبیر ۲۴/ ۲۴۱ صحیح الجامع :۱۹۹۰) بخالت پر آمادہ کردینے والی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب انسان اللہ کے راستے میں خرچ کرنا چاہتا ہے تو شیطان اسے اولاد کی یاد دلاتا ہے چنانچہ وہ یہ کہنے لگتا

ہے کہ میری اولاد مال کی زیادہ حقدار ہے میں ان کی خاطر اسے بچائے رکھوں میرے بعد انھیں اسکی ضرورت ہوگی لہذا آدمی اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے سلسلے میں بخیلی کرنے لگتا ہے. اور بزدل بنا دینے کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی اللہ کے راستے میں جہاد کرنا چاہتا ہے تو شیطان اسکے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ: ''تم قتل کر دیئے جاؤ گے، مر جاؤ گے تب تمہاری اولاد یتیم ہو جائے گی، برباد ہو جائے گی، چنانچہ وہ جہاد کے لئے نکلنے کے بجائے گھر بیٹھ رہتا ہے اور جہالت پر آمادہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ باپ کو مشغولیات کی وجہ سے طلب علم، اسکے حصول کی کوشش، اسکی مجلسوں میں حاضری اور قرأت کتب کا موقع ہی نہیں مل پاتا. اور غم زدہ کر دینے والی کا مطلب یہ ہے کہ جب بچہ بیمار ہو جاتا ہے تو اسے غم ہوتا ہے اور جب وہ کوئی ایسی چیز طلب کرتا ہے جسے فراہم کرنا باپ کے بس میں نہیں ہوتا ہے تو باپ غم زدہ ہو جاتا ہے. اور جب وہ بڑا ہو کر اپنے باپ کی نافرمانی کرنے لگتا ہے تب تو فکر و غم ہمیشہ کے ساتھی بن جاتے ہیں.

مقصود یہ نہیں ہے کہ آدمی شادی کرنا، اولاد پیدا کرنا یا اولاد کی تربیت کرنا ہی چھوڑ دے، بلکہ مقصود اس بات سے متنبہ کرنا ہے کہ آدمی ان کی وجہ سے حرام کاموں میں مشغول نہ ہو جائے.

اب رہا مال کا فتنہ تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام اسکے متعلق فرماتے ہیں :(ان لکل أمة

فتنة، وفتنة أمتي المال) ''ہر امت کا کوئی نہ کوئی فتنہ ہوا کرتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے '' (ترمذی : ۲۳۳۶، صحیح الجامع : ۲۱۴۸) مال کی حرص دین کو تباہ کرنے میں اس بھیڑیئے سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے جو بکریوں کے ریوڑ پر مسلط ہو گیا ہو، اور نبی ﷺ کے درج ذیل قول کا یہی مطلب ہے :(ما ذئبان جائعان أرسلا في غنم بأفسد لها من حرص المرء على المال والشرف لدينه) ''دو بھوکے بھیڑیئے جو بکریوں میں چھوڑ دیئے گئے ہوں وہ بھی اس قدر تباہ کن نہیں ہوتے جس قدر آدمی کے اندر مال اور دین داری کی وجہ سے قدر ومنزلت کی حرص تباہ کن ہوتی ہے''
(ترمذی :۲۳۷۶، صحیح الجامع :۵۶۲۰)

اسی لئے نبی ﷺ نے بہت زیادہ پھیلنے کے بجائے جو اللہ کے ذکر سے غافل کردینے والا ہو بقدر کفایت حاصل کرنے پر ابھارا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں : (انما يكفيك من جمع المال خادم ومركب في سبيل الله) ''تمہارے لئے بس اتنا ہی مال جمع کرنا کافی ہے کہ ایک خادم ہو اور اللہ کے راستے میں ایک سواری ہو'' (احمد ۵/۲۹۰، صحیح الجامع ۲۳۸۶) اور نبی ﷺ نے اہل صدقہ کے سوا دیگر لوگوں کو زیادہ مال جمع کرنے سے ڈرایا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا :(ويل للمكثرين إلا من قال بالمال هكذا وهكذا وهكذا أربع عن يمينه وعن شماله ومن قدامه ومن ورائه) ''بربادی ہے زیادہ مال جمع کرنے والوں کے لئے مگر جو شخص اپنے مال کو ایسا

ایسا اور ایسا کرے چار مرتبہ آپ نے اپنے دائیں بائیں آگے پیچھے اشارہ فرمایا (ابن ماجہ : ۴۱۲۹، صحیح الجامع : ۱۳۷۷) مراد یہ ہے کہ صدقہ کے مدات اور نیکی اور خیر کے کاموں میں خرچ کرتا رہے۔

۷ : - طول آرزو :

اللہ تعالی فرماتا ہے : ﴿ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾ آپ انہیں کھاتا، نفع اٹھاتا اور (جھوٹی) امیدوں میں مشغول ہوتا چھوڑ دیجئے یہ خود بھی جان لیں گے۔ (الحجر :۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : (إن أخوف ما أخاف عليكم اتباع الهوى وطول الأمل فأنما اتباع الهوى فيصد عن الحق وأما طول الأمل فينسي الآخرة) ''تمہارے بارے میں مجھے سب سے زیادہ جس چیز کا خوف ہے وہ ہے اتباع ھوی (یعنی فکری انحراف ،خواہشات نفس کی پیروی اور بدعات کا ارتکاب) اور طول آرزو۔ جہاں تک اتباع ھوی کا معاملہ ہے تو وہ حق سے پھر دیتی ہے اور طول آرزو آخرت فراموشی میں مبتلا کر دیتی ہے۔ (فتح الباری :۲۳۶/۱۱)

اور اثر میں آیا ہے کہ چار چیزوں کا تعلق بدبختی سے ہوتا ہے : آنکھ کا جمود، دل کی سختی، طول آرزو اور دنیا کی حرص۔ طول آرزو سے اطاعتوں میں سستی ٹال مٹول، دنیا کی

رغبت، آخرت فراموشی اور دل کی سختی پیدا ہوتی ہے کیونکہ رقت اور صفائی قلب، موت، قبر، ثواب وعقاب، اور قیامت کی ہولناکیوں کو یاد کرنے سے پیدا ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے۔''

اور کہا گیا ہے کہ جسکی آرزو مختصر ہوتی ہے اسکے افکار کم ہوتے ہیں اور اس کا دل منور ہوتا ہے، کیونکہ جب آدمی موت کو یاد رکھتا ہے تو اطاعت کے سلسلے میں کوشش اور محنت کرتا ہے......(فتح الباری ۱۱/ ۲۳۷)

۸ : — ایمان کی کمزوری اور دل کی سختی کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ کھانے، سونے، شب بیداری، گفتگو اور محفلوں کو آباد کرنے میں افراط سے کام لیا جائے کیونکہ زیادہ کھانے سے ذہن میں بلادت پیدا ہوتی ہے، رحمٰن کی اطاعت کے سلسلے میں بدن کو بوجھل پن کا احساس ہوتا ہے اور انسان کے اندر شیطان کی گزرگاہوں کو غذا فراہم ہوتی ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے: ''جو شخص زیادہ کھائے گا وہ زیادہ پئے گا اور زیادہ سوئے گا اور بہت بڑے اجر کا خسارہ اٹھائے گا، اور گفتگو میں کثرت اور افراط دل کو سخت کر دیتی ہے، اور لوگوں کے ساتھ میل جول میں ضرورت سے زیادہ وقت صرف کرنے سے آدمی کو اپنے ساتھ تنہائی، نفس کا محاسبہ کرنے اور اس سے متعلق امور کی

تدبیر کرنے کا موقع نہیں ملتا ہے اور ہنسی کی کثرت دل کے اندر موجود مادۂ حیات کو ختم کر ڈالتی ہے جسکے نتیجے میں وہ مرجاتا ہے. نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حدیث صحیح میں فرماتے ہیں :(**لا تکثروا الضحک فإن کثرۃ الضحک تمیت القلب**)''زیادہ نہ ہنسو کیونکہ ہنسی کی کثرت دل کو مردہ کر دیتی ہے'' (ابن ماجہ ۴۱۹۳،اور یہ حدیث صحیح الجامع میں بھی ہے)اسی طرح جب وقت کواللہ تعالی کی اطاعت سے پر نہ کیا جائے تو اس کے نتیجے میں دل کے اندر ایسی سختی اور چکناہٹ پیدا ہوجاتی ہے کہ اسے قرآن کے زواجر (یعنی ڈرانے والی چیزوں)اور ایمان کے مواعظ کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے.

حاصل یہ ہے کہ ایمان کی کمزوری کے اسباب اس قدر ہیں کہ ان کا شمار طاقت سے باہر ہے مگر مذکورہ چیزوں کے ذریعہ غیر مذکورہ چیزوں کے سلسلے میں رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے اور ایک عقلمند آدمی خود بھی ان کا اندازہ لگا سکتا ہے.ہم اللہ تعالی سے طلبگار ہیں کہ وہ ہمارے دلوں کو پاک وصاف رکھے اور ہمارے نفس کو شر سے محفوظ رکھے.

سوم

ضعف ایمان کا علاج

حاکم نے اپنی مستدرک میں اور طبرانی نے اپنی معجم میں نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا:(**إن الایمان لیخلق في جوف أحدکم کما یخلق الثوب**

فأسالوا الله أن يجدد الایمان في قلوبکم)''بیشک تم میں سے کسی کے اندر ایمان ایسے پرانا ہوتا ہے جیسے کپڑا پرانا ہوجاتا ہے تو تم اللہ سے سوال کیا کرو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان کی تجدید فرمادے''.(حاکم فی المستدرک ۱/۴، السلسلة الصحیحة ۱۵۸۵،ہیثمی نے مجمع الزوائد ۱/۵۲ میں فرمایا کہ اسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اسکی اسناد حسن ہے)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایمان ایسے ہی بوسیدہ ہوجاتا ہے جس طرح کپڑا جب پرانا اور قدیم ہوجاتا ہے تو بوسیدہ ہوجاتا ہے اور بعض حالات میں مومن کے دل پر گناہوں کے بادل چھا جاتے ہیں تو وہ تاریک ہوجاتا ہے اور اس صورت کی منظر کشی رسول اللہ ﷺ نے بھی صحیح حدیث میں فرمائی ہے :(ما من القلوب قلب اِلا وله سحابة کسحابة القمر، بینا القمر مضيء اِذ علته سحابة فاظلم، اِذ تجلت عنه فأضاء)''ہر دل کے سامنے ایسے ہی بادل آتے ہیں جیسے کہ چاند کے سامنے بادل آتے ہیں، ایسا ہوتا ہے کہ چاند چمکتا رہتا ہے کہ اچانک اس پر بادل آجاتے ہیں پھر تاریک ہوجاتا ہے اور جب بادل چھٹ جاتے ہیں تو وہ پھر روشن ہوجاتا ہے''(ابونعیم فی الحلیة ۲/۱۹۶، السلسلة الصحیحه : ۲۲۶۸)

چنانچہ جس طرح کبھی کبھی چاند پر بادل اُمڈ آتے ہیں اور اسکی روشنی کو ڈھانپ لیتے ہیں اور تھوڑے عرصے کے بعد جب وہ چھٹ جاتے ہیں اور ان کا اثر ختم ہوجاتا ہے تو چاند کی روشنی دوبارہ لوٹ آتی ہے تاکہ آسمان میں اجالا بکھیر سکے .اسی طرح مومن کے دل

پر بھی کبھی گناہوں کے تاریک بادل چھا جاتے ہیں اور اسکے نور کو چھپا لیتے ہیں جسکے نتیجے میں انسان ظلمت اور وحشت کا شکار ہو جاتا ہے پھر جب اپنے ایمان میں اضافے کی کوشش کرتا ہے اور اللہ عزوجل سے مدد مانگتا ہے تو وہ بادل چھٹ جاتے ہیں اور حسب سابق اسکے دل کا نور دوبارہ اپنی روشنی بکھیر نے لگتا ہے.

ضعف ایمان کے معاملے کو سمجھنے اور اسکے علاج کے متعلق تصور کے سلسلے میں اہم ترین اساسیات میں سے اس بات کی معرفت حاصل کرنا ہے کہ ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے اور یہ چیز اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کا لازمی حصہ ہے کیونکہ ان کے یہاں ایمان زبان کے اقرار، دل کے اعتقاد اور اعضاء و جوارح کے عمل کا مجموعہ ہے جو اطاعتوں سے بڑھتا ہے اور نافرمانیوں سے گھٹتا ہے اور کتاب وسنت میں اسکے بہت سے دلائل موجود ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں :

اللہ تعالی فرماتا ہے : ﴿لِيَزْدَادُوْا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِم﴾ ''تا کہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں''. (الفتح : ۴) اور فرماتا ہے ﴿أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهِ إِيمَانًا﴾ ''اس (سورت) نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کیا ہے.'' (التوبہ : ۱۲۴) اور نبی ﷺ فرماتے ہیں : (من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه

و ذلک أضعف الایمان)''تم میں سے کوئی شخص اگر منکر اور غلط کام ہوتا ہوا دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر اسکی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے اس کا انکار کرے اور اگر اسکی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے اسے برا جانے. اور یہ کمزور ترین ایمان ہے'' (بخاری مع فتح الباری ۱/۵۱) ایمان میں اضافے اور کمی کے اعتبار سے طاعت اور معصیت کا اثر امر معلوم و مشہور اور مجرب ہے. چنانچہ اگر کوئی شخص بازار میں نکلے، عریاں عورتوں کو دیکھے اور بازار والوں کا شور شرابہ اور انکی لغویات کو سنے پھر کسی مقبرہ کے اندر داخل ہو جائے اور غور و فکر کرے اور اسکے دل پر رقت طاری ہو جائے تو اسے دونوں حالتوں کے درمیان واضح فرق نظر آئے گا. اور وہ دیکھے گا کہ دل کس قدر تیزی کے ساتھ بدل جاتا ہے.

مفہوم کے اعتبار سے ہمارے موضوع ہی سے متعلق کسی سلف نے فرمایا ہے کہ: (من فقه العبد أن يتعاهد إيمانه، وما ينقص منه، ومن فقه العبد أن يعلم أيزداد إيمانه؟ أو ينقص ؟ وإن من فقه الرجل أن يعلم نزغات الشيطان أنى تأتيه؟)''بندے کی فقاہت اور سمجھ کا ایک مظہر یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کی نگہداشت رکھے اور یہ دیکھتا رہے کہ اس میں کتنی کمی واقع ہوگئی ہے اور بندے کی فقاہت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اسے معلوم رہے کہ اس کا ایمان بڑھا ہے یا گھٹا ہے اور بندے کی

فقاہت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ جانتا رہے کہ اس کے اوپر شیطان کے حملے کدھر سے ہو سکتے ہیں؟(شرح نونیۃ ابن القیم لا بن عیسی ۱۴۰/۲)

آدمی کو اس بات کی بھی معرفت ہونی چاہئیے کہ ایمان کی کمی اگر کسی واجب کے ترک یا کسی فعل محرم کے ارتکاب کا سبب بن رہی ہو تو یہ بڑا ہی خطرناک اور قابل مذمت فتور ہے جس پر اللہ تعالی سے توبہ کرنا واجب اور ضروری ہو جاتا ہے اور آدمی کو اپنے نفس کا علاج شروع کر دینا چاہئیے. اور اگر یہ فتور کسی واجب کے ترک یا کسی حرام کام کے ارتکاب کا سبب نہ بن رہا ہو بلکہ کسی مستحب عمل کے سلسلے میں کوتاہی کا سبب بن رہا ہو تو ایسے آدمی کو چاہئیے کہ وہ اپنے نفس کو مانجھے اور درست کرے اور اعتدال پر لانے کی کوشش کرے تا کہ وہ اپنی سرگرمی کو بحال کرے اور عبادت میں نئے سرے سے قوت کی حامل ہو جائے. اور یہ وہ چیز ہے جو نبی ﷺ کے اس قول سے مستفاد ہے :(لكل عمل شرة – يعني نشاط وقوة– ولكل شرة فترة– يعني ضعف وفتور– فمن كانت فترته إلى سنتي فقد أفلح ومن كانت إلى غير ذلك فقد هلك) "ہر عمل کی ایک تیزی -یعنی نشاط اور قوت- ہوتی ہے اور ہر تیزی کی ایک سستی -یعنی ضعف وفتور- ہوتا ہے چنانچہ جس شخص کی سستی میری سنت کی طرف ہو گی وہ کامیاب ہو جائے گا اور جسکی دوسری کسی طرف ہو گی وہ ہلاک ہو جائے گا" (احمد ۲/۲۱۰، صحیح الترغیب : ۵۵)

علاج کے سلسلے میں گفتگو شروع کرنے سے پہلے ایک اہم چیز کا تذکرہ کر دینا بہتر محسوس ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ جو دلوں میں سختی محسوس کرتے ہیں وہ خارجی علاج کی تلاش میں پڑ جاتے ہیں اور اس کے سلسلے میں دوسروں پر اعتماد کرنا چاہتے ہیں حالانکہ اگر وہ چاہیں تو انھیں اس بات کی قدرت حاصل ہے کہ وہ اپنا علاج خود ہی کر لیں اور یہی چیز اصل اور بنیاد بھی ہے کیونکہ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بندے اور رب کے درمیان ایک تعلق ہوتا ہے .ذیل میں متعدد شرعی وسائل کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جن کے ذریعہ مسلمان اپنے ایمان کی کمزوری اور دل کی سختی کو اس شرط کے ساتھ دور کر سکتا ہے کہ وہ اول اللہ عزوجل پر اعتماد رکھے اور اپنے نفس کو مجاہدہ کے لئے تیار کر لے.

ا : -قرآن عظیم میں غور و تدبر کرنا جسے اللہ عزوجل نے ہر چیز کی وضاحت کرنے کے لئے ایک نور بنا کر نازل فرمایا ہے، اور اس کے ذریعہ اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے رہنمائی فرماتا ہے .اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسکے اندر ایک عظیم علاج اور بڑی کارگر دوا ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے : ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لئے تو سراسر رحمت وشفاء ہے.(الاسراء :۸۲) اور علاج کا طریقہ یہ ہے

کہ اس میں غور و فکر اور تدبر کیا جائے.

رسول اللہ ﷺ قیام اللیل میں کتاب اللہ کے اندر تدبر فرمایا کرتے تھے اور اسے بار بار دھراتے رہتے تھے. یہاں تک کہ ایک رات قیام اللیل میں کتاب اللہ کی ایک ہی آیت کو بار بار دھراتے رہے اور صبح تک صرف اسی ایک آیت کو پڑھتے رہے اور وہ آیت یہ ہے : ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ "اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرمادے تو تو زبردست ہے حکمت والا ہے". (المائدہ : ۱۱۸)(احمد/۴/۱۴۹،صفة الصلوة للالبانی/۱۰۲).

اور آنحضرت ﷺ قرآن پاک میں تدبر کرنے کے سلسلے میں بڑے اونچے درجے تک پہونچے ہوئے تھے، ابن حبان نے اپنی صحیح میں بسند جید حضرت عطارہ کے واسطے سے روایت کیا ہے بیان کرتے ہیں، کہ میں اور عبید اللہ بن عمیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تب حضرت عبید اللہ بن عمیر نے عرض کیا : آپ نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق سب سے زیادہ تعجب خیز جو چیز دیکھی ہو وہ ہم سے بیان فرمایئے تو وہ رونے لگیں اور فرمایا : "ایک رات آپ نے قیام فرمایا یعنی نماز پڑھی تو آپ نے فرمایا اے عائشہ ! مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے رب کی عبادت کرلوں، بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا : واللہ مجھے تو آپ کا قرب اور آپ کی خوشی محبوب و مطلوب ہے. بیان

کرتی ہیں پھر آپ کھڑے ہوئے اور پاک وصاف ہوئے پھر نماز پڑھنے لگے اور رونے لگے یہاں تک کہ آپ کا گریبان تر ہوگیا پھر آپ روتے ہی رہے یہاں تک کہ زمین تر ہوگئی اور حضرت بلال انہیں نماز کی خبر دینے آئے تو انہوں نے آپ کو روتا ہوا دیکھا، انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ! آپ رو رہے ہیں؟ اللہ تعالی نے تو آپ کی اگلی پچھلی تمام خطاؤں کو معاف فرمادیا ہے، آپ نے فرمایا : کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ آج رات میرے اوپر کچھ ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ بربادی ہے اس شخص کے لئے جو انہیں پڑھے اور ان میں غور وفکر نہ کرے ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَأٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ☆ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ...... ﴾ ''آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں. جو اللہ تعالی کا ذکر کھڑے ، بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں وزمین کی پیدائش میں غورو فکر کرتے ہیں'' (آل عمران : ۱۹۱-۱۹۰) (السلسلة الصحيحة :۱/۱۰۶) یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان آیات میں تدبر کرنا واجب ہے.

قرآن میں توحید ہے، وعدو وعید ہے، احکام واخبار ہیں، قصے ہیں، عادات واخلاق ہیں

اور نفس پر اسکے اثرات نوع بہ نوع ہوتے ہیں. اسی طرح کچھ سورتیں ایسی ہوتی ہیں جو دوسری سورتوں کے مقابلے میں نفس کو زیادہ ڈراتی ہیں اور اسکی دلیل نبی ﷺ کا یہ قول ہے: (شيبتني هود وأخواتها قبل المشيب) ''ہود اور اسی جیسی سورتوں نے بڑھاپے سے پہلے ہی میرے بالوں کو سفید کر دیا ہے'' (السلسلة الصحيحة : ۲/۶۷۹)

اور ایک روایت میں ہود ، واقعہ، مرسلات، عم یتساءلون اور اذالشمس کورت آیا ہے (ترمذی : ۳۲۹۷، السلسلة الصحيحة: ۹۵۵) حقائق ایمان اور عظیم ترین ذمہ داریوں پر مبنی مشتملات نے رسول اللہ ﷺ کے بالوں کو سفید کر دیا تھا. جن کی وجہ سے نبی ﷺ کا دل ثقل سے پر ہو گیا تھا اور اس کے اثرات آپ کے بالوں اور جسم پر بھی ظاہر ہوئے. ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ پس آپ جمے رہئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ توبہ کر چکے ہیں (ھود : ۱۱۲).

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ بھی قرآن پڑھا کرتے تھے، اس میں غور و تدبر کیا کرتے تھے اور اس سے متاثر ہوا کرتے تھے.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے ہی پر درد اور رقیق القلب انسان تھے جب وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے اور کلام الہی کی تلاوت فرماتے تو رونے کی وجہ سے اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ پاتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قول کی تلاوت کے بعد بیمار پڑ گئے تھے.

﴿ اِنَّ عَـذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ☆مَّالَهُ مِنْ دَافِعٍ ﴾ ''بیشک آپ کے رب کا عذاب ہو کر رہنے والا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں. (طور :۷-۸)

(یہ اثر مع اسانید تفسیر ابن کثیر ۷/۴۰۶ میں موجود ہے)

اور جب آپ نماز میں یعقوب علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالی کا یہ قول پڑھ رہے تھے : ﴿اِنَّمَآ اَشۡكُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ ﴾ میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں. (یوسف : ۸۶) تو صفوں کے پیچھے سے آپ کے رونے کی آواز سنائی دے رہی تھی (مناقب عمر لابن الجوزی ص ۱۶۷) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے : ''اگر ہمارے دل پاک وصاف ہوتے تو کلام اللہ سے آسودہ نہ ہوتے. اور انھیں اس حال میں مظلومانہ شہید کر دیا گیا تھا کہ ان کا خون ان کے مصحف پر گر رہا تھا. اس سلسلے میں صحابہ کے بے شمار واقعات ہیں، اور حضرت ایوب سے روایت ہے کہ میں نے سعید بن زبیر کو نماز میں اس آیت کو انتیس ۲۹ مرتبہ دھراتے ہوئے سنا : ﴿وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِیۡهِ اِلَی اللّٰهِ ﴾ اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے. (بقرہ:۲۸۱) (سیر اعلام النبلاء : ۴/۳۲۴) اور یہ قرآن کی نازل ہونے والی آخری آیت ہے پوری آیت اس طرح ہے : ﴿ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴾ اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا. (بقرہ : ۲۸۱) اور ابراہیم بن بشار فرماتے ہیں : ''وہ

آیت جس میں علی بن فضیل کا انتقال ہوا وہ ہے ﴿وَلَوْ تَرٰی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ﴾ اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائے تو کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں. (الانعام : ۲۷) یہی وہ مقام ہے جہاں انہیں موت آ گئی تھی اور اللہ ان پر رحم کرے میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی تھی (سیر اعلام النبلاء : ۴/۴۴۶)

اور ان کے کچھ مواقف تو ایسے ہیں جن کا تعلق سجدۂ تلاوت سے تھا. ایسا ہی ایک قصہ اس آدمی کا ہے جس نے اللہ عزوجل کا یہ قول : ﴿وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْکُوْنَ وَیَزِیْدُھُمْ خُشُوْعًا﴾ "وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کی عاجزی اور خشوع اور خضوع بڑھا دیتا ہے." (الاسراء : ۱۰۹) پڑھا تو اس نے سجدۂ تلاوت کیا اور اپنے نفس کو ملامت کرتے ہوئے کہا "یہ تو سجدہ ہے رونا کہاں گیا؟"

سب سے زیادہ غور وفکر اور تدبر کا مقام قرآن کی ضرب الامثال ہیں کیونکہ جب اللہ سبحانہ تعالی نے ہمارے لئے قرآن میں مثالیں بیان فرمائی ہیں تو ہمیں اس بات پر آمادہ فرمایا ہے کہ ہم ان کے متعلق غور وفکر کریں اور ان سے نصیحتیں حاصل کریں چنانچہ ارشاد ہے : ﴿وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ﴾ اور اللہ تعالی

لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں.اور فرمایا : ﴿وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾''اور ہم ان مثالوں کولوگوں کے لئے بیان فرمارہے ہیں شاید وہ غور وفکر کریں''.

ایک مرتبہ سلف میں سے کسی شخص نے قرآن پاک کی کسی مثل کے بارے میں تدبر کرنا شروع کیا تواس کا معنی ان پر واضح نہیں ہوسکا چنانچہ وہ رونے لگے ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ توانہوں نے جواب دیا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے : ﴿وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴾''ہم ان مثالوں کولوگوں کے لئے بیان فرمارہے ہیں انہیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں.'' (العنکبوت : ۴۳).

اور میں اس مثل کو نہیں سمجھ سکا لہذا میں عالم نہیں ہوں اور علم کے ضائع ہوجانے پر روتا ہوں کہ میں اسے حاصل نہیں کرسکا.

قرآن پاک میں اللہ تعالی نے بہت سی مثالیں بیان فرمائی ہیں : اس شخص کی مثال جس نے آگ جلائی، اس شخص کی مثال جو ایسی چیزوں کو آوازیں دیتا ہے جو سنتی نہیں ہیں، اس دانے کی مثال جس نے سات بالیاں اگائیں، کتے کی مثال جو زبان نکالے ہانپتا رہتا ہے، گدھے کی مثال جو کتابیں اٹھائے چلتا ہے، مکھی، مکڑی کی مثال، اندھے اور بہرے اور دیکھنے والے، سننے والے کی مثال، اس راکھ کی مثال جو شدید ہوا کی زد

میں آ گئی ہو، پاکیزہ اور خبیث درخت کی مثال، آسمان سے نازل ہونے والے پانی کی مثال، اس طاق کی مثال جس میں چراغ ہو، اس مملوک غلام کی مثال جو کسی چیز پر قادر نہ ہو، اور اس شخص کی مثال جس میں کچھ باہم رسہ کشی کرنے والے ساجھی دار ہوں وغیرہ.
مقصد یہ ہے کہ مثالوں پر مشتمل ان آیات کی طرف رجوع کیا جائے اور انپر خصوصی توجہ صرف کی جائے.
قرآن سے دل کی سختی کے علاج کے سلسلے میں کیا کرنا چاہئیے ؟اس کا خلاصہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے یوں پیش فرمایا ہے :
ان سب کا نچوڑ دو امور ہیں ایک تو یہ کہ دنیا کے وطن سے منتقل کر کے دل کی رہائش آخرت کے وطن میں بنائی جائے، پھر اسے پورے طور سے قرآن کے معانی اور ان کی وضاحتوں پر لگا دیا جائے، اور اس بات پر تدبر کیا جائے اور اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ اس سے کیا مطلوب ومقصود ہے اور اسے کیوں نازل کیا گیا ہے؟ اس کی تمام آیات سے اپنا حصہ لے لو اور اسے اپنے دل کی بیماری پر انڈیل دو، پھر جب یہ آیت دل کی بیماری پر جا پڑے تو دل باذن اللہ شفایاب ہو جائے گا.
۲ : - **اللہ تعالی کی عظمت کا احساس اجاگر کرنا**، اسکے اسماء و صفات کی معرفت حاصل کرنا، ان کے متعلق تدبر کرنا، ان کے معانی ومفاہیم کو سمجھنا. اور

اس شعور کا دل میں گھر کر لینا اور اعضاء و جوارح میں سرایت کر جانا تا کہ وہ بطریق عمل وہ بول پڑیں جو دل نے محفوظ کیا ہو، کیونکہ وہی ان کا بادشاہ اور سردار ہے اور یہ سب اسکے فوجیوں اور پیروکاروں کی طرح ہیں چنانچہ جب وہ صالح ہوگا تو یہ سب بھی صالح ہوں گے اور جب وہ فاسد ہوگا تو یہ سب بھی فاسد ہو جائیں گے.

اللہ تعالی کی عظمت کے متعلق کتاب وسنت کے نصوص بہت زیادہ ہیں جب مسلمان ان کے بارے میں غور وفکر کرتا ہے تو اس کا دل کانپ جاتا ہے اور اس ذات بلند وعظیم کی خاطر اسکے نفس میں تواضع پیدا ہو جاتی ہے اور سمیع وعلیم کے لئے اسکے اعضاء و جوارح جھک جاتے ہیں اور اولین وآخرین کے رب کے لئے اسکے خشوع میں اضافہ ہو جاتا ہے. اور انہیں نصوص میں سے اس ذات منزہ کے بہت سے اسماء وصفات بھی ہیں.

چنانچہ وہ عظیم ہے، مہیمن یعنی پناہ دینے والا ہے، جبار یعنی زبردست دباؤ والا ہے، متکبر یعنی بڑائی والا ہے، قوی یعنی قوت والا ہے، قہار یعنی غلبے والا ہے، کبیر یعنی بہت بڑا ہے، متعال یعنی بہت بلند ہے.

وہ حی ہے جسے موت نہیں آتی ہے، وہ اپنے بندوں پر غالب ہے، گرج اسکی تسبیح وتعریف کرتی ہے اور فرشتے بھی اسکے خوف سے، وہ غالب ہے انتقام والا ہے، قیوم ہے سوتا نہیں ہے، اسکے علم کی وسعت ہر چیز کو پہونچتی ہے، وہ آنکھوں کی خیانت اور سینوں کے

بھید کو جاننے والا ہے اور اس نے اپنے علم کی وسعت کا بیان یوں فرمایا ہے : ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے- اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں.(الانعام : ۵۹)

اور اس کی عظمت کا ایک مظہر وہ بھی ہے جس کے متعلق خود اسی نے فرمایا ہے :
﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ﴾ ''اور ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے تھی نہیں کی ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہونگے.'' (الزمر : ٦٧)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں : (يقبض الله الأرض يوم القيامة ويطوي السماوات بيمينه ثم يقول أنا الملك أين ملوك الأرض) ''اللہ تعالیٰ

قیامت کے دن اپنے داہنے ہاتھ میں زمین کو قبض کر لے گا اور آسمانوں کو سمیٹ لے گا پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہی ہوں کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟ (بخاری ۶۹۴۷) اگر موسی علیہ السلام کے اس قصے پر غور کیا جائے تو کلیجہ ہل جاتا ہے اور دل کانپ جاتا ہے جب انہوں نے کہا کہ اے رب مجھے تو اپنی ذات کا مشاہدہ کرا دے تو اللہ تعالی نے فرمایا :

﴿لَنْ تَرٰنِی وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰنِی فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا...... ﴾ ''تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس کے پرخچے اڑا دیئے اور موسی (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے۔'' (الاعراف : ۱۴۳)

جب نبی ﷺ نے اس آیت کی تفسیر بیان فرمائی تو اسے پڑھنے کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ سے یوں اشارہ فرمایا اور آپ نے اپنے انگوٹھے کو سب سے چھوٹی والی انگلی کے اوپر والے جوڑ پر رکھا، پھر نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ''(فساخ الجبل) پہاڑ دھنس گیا'' (ترمذی : ۳۰۷۴، احمد ۳/ ۱۲۵، ۲۰۹ اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر ۳/ ۲۶۶ میں حدیث کے مختلف طرق بیان فرمائے ہیں، ابن قیم فرماتے ہیں اسکی اسناد مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور البانی نے ابن ابی عاصم کی السنہ میں حدیث نمبر ۴۸۰ کے تحت اسکی تخریج تصحیح کی ہے) اور اللہ سبحانہ تعالی کا حجاب نور ہے اگر وہ اسے ہٹا دے تو اسکے چہرے کے انوار تا حد نگاہ مخلوق کو جلا ڈالیں، اور اسکی عظمت کی ایک صورت وہ ہے

جس کا بیان رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :(إذا قضى الله الأمر في السماء ضربت الملائكة بأجنحتها خضعاناً لقوله كأنه سلسلة على صفوان فاذا فزع عن قلوبهم قالوا ماذا قال ربكم قالوا للذي قال الحق وهو العلي الكبير)''جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے سر تسلیم خم کر دینے کے اظہار کے واسطے اپنے پروں کو مارتے ہیں گویا کہ وہ پتھر پر زنجیروں کی جھنکار ہو پھر جب ان پر سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں : تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ تو جو اس نے فرمایا ہوتا ہے اسکے متعلق وہ کہتے ہیں کہ حق فرمایا ہے اور وہ علی وکبیر بلند و بالا اور بڑائی والا ہے'' (بخاری :۴۰۴۳)

اس ضمن میں نصوص بے شمار ہیں مقصود تو بس اتنا ہے کہ ان نصوص میں غور و فکر کر کے رب کی عظمت کا احساس کیا جائے جو ضعف ایمان کا سب سے نفع بخش علاج ہے، اور ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کو شیریں اور خوبصورت الفاظ میں یوں بیان فرماتے ہیں: غلاموں کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے، امر و نہی فرماتا ہے، پیدا کرتا اور روزی دیتا ہے، مارتا اور جلاتا ہے، عزت اور ذلت دیتا ہے، دن اور رات کو الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے، اور دنوں کو لوگوں کے درمیان متداول رکھتا ہے، حکومتوں کو الٹ پلٹ کرتا ہے ایک حکومت کو لے جاتا ہے اور دوسری کو لے آتا ہے. اس کا امر اور بادشاہت آسمانوں اور

اسکے تمام گوشوں میں زمین اور اسکی تمام مسکونہ چیزوں پر اور اسکے نیچے کی تمام چیزوں پر اور سمندروں اور فضاؤں میں نافذ ہے، اسکے علم نے ہر چیز کا احاطہ کرر کھا ہے اور اسنے ہر چیز کی تعداد کو شمار کرر کھا ہے، اور اسکی سماعت کی وسعت تمام آوازوں تک پہونچی ہوئی ہے، نہ تو اس پر مختلف ہوتی ہے نہ مشتبہ ہوتی ہے، بلکہ بھانت بھانت کی زبانیں اور نوع بہ نوع حاجات کے باوجود ان کے شور شرابوں کو بھی سن لیتا ہے، ایک چیز کی سماعت دوسرے چیز کی سماعت میں آڑے نہیں آتی ہے اور مسائل کی کثرت سے اس پر التباس نہیں ہوتا ہے، آہ وزاری کرنے والے محتاجوں کی آہ وزاری پر اسکی جبین پر کوئی شکن نہیں آتی ہے، اور اسکی بصارت تمام مرئیات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، چنانچہ جب تاریک رات میں سیاہ چکنے پتھر پر کوئی کالی چیونٹی رینگتی ہے تو وہ اسے بھی دیکھتا ہے.

غیب اس کے نزدیک حضور اور بھید اسکے نزدیک عیاں ہوتا ہے. ﴿يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ ''سب آسمان وزمین والے اسی سے مانگتے ہیں، ہر دن وہ ایک شان میں ہے'' (الرحمٰن : ۲۹). گناہ کی بخشش کرتا ہے رنج و فکر کو دور فرماتا ہے کرب کا خاتمہ کرتا ہے، ٹوٹے کو جوڑتا ہے، فقیر کو غنی کرتا ہے، گمراہ کو ہدایت دیتا ہے، حیرت زدہ کی رہنمائی فرماتا ہے، درد کے ماروں کی فریاد رسی کرتا ہے، بھوکے کو آسودہ کرتا ہے، ننگے کو کپڑا پہناتا ہے، مریض کو شفا دیتا ہے اور مصیبت زدہ کو

عافیت میں لاتا ہے، توبہ کرنے والے کو قبول کرتا ہے، نیکی کرنے والے کو بدلہ دیتا ہے، مظلوم کی مدد فرماتا ہے، جابروں کی پیٹھ توڑ دیتا ہے، پردہ پوشی فرماتا ہے، گھبرائے ہوئے دلوں میں اطمینان بھر دیتا ہے، کچھ لوگوں کو بلند اور کچھ لوگوں کو پست کر دیتا ہے......اگر سارے آسمان والے اور سارے زمین والے اول مخلوق اور آخری مخلوق، انسان اور جنات سارے کے سارے ایک تقوی شعار آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں تو اس سے اسکی بادشاہت میں کچھ بھی اضافہ نہ ہوگا اور اگر اول مخلوق اور آخری مخلوق، انسان اور جنات سارے کے سارے گنہگار آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں تو اس سے اسکی بادشاہت میں کچھ بھی کمی واقع نہ ہوگی اور اگر سارے آسمان والے اور سارے زمین والے اور اول مخلوق اور آخری مخلوق انسان اور جنات زندہ و مردہ اور خشک و تر سب کے سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور اس سے سوال کریں اور وہ ہر ایک کی مانگ پوری کر دے تو اس سے اسکے خزانے میں ایک ذرہ برابر بھی کمی واقع نہ ہوگی......وہ اول ہے اس سے پہلے کوئی چیز نہیں، وہ آخر ہے اسکے پیچھے کوئی چیز نہیں، وہ بابرکت اور بلند تر ہے، ذکر کا سب سے زیادہ مستحق، عبادت کا صحیح حق دار اور شکر ادا کرنے کے سب سے زیادہ لائق، سب سے زیادہ شفقت والا بادشاہ اور داتاؤں میں سب سے سخی داتا ہے، وہ حقیقی بادشاہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی ہم پلّہ اور مثیل نہیں، وہ

نرالا سردار ہے اس کی کوئی اولاد نہیں، وہ بلند ہے کوئی اسکے مشابہ نہیں، اسکی ذات کے سوا ہر شئی ہلاک ہوجائے گی اور اسکی بادشاہت کے سوا ہر شئی زائل ہوجائیگی...... اسکے چاہے بغیر اسکی اطاعت بھی نہیں کی جاسکتی اور اسکی نافرمانی بھی اسکے علم کے بغیر نہیں ہوتی ہے. اسکی اطاعت کی جاتی ہے تو مشکور ہوتا ہے اور نافرمانی کی جاتی ہے تو بخش دیتا ہے، اسکی جانب سے ہر مصیبت عدل ہوتی ہے، اور اسکی ہر نعمت اس کا فضل ہوتی ہے، وہ سب سے قریبی حاضر اور سب سے نزدیکی نگہبان ہے، اس نے پیشانیوں کو پکڑ رکھا ہے، اعمال کو قلم بند کردیا ہے اور موتوں کو لکھ رکھا ہے، دل اسی کی طرف جھکنے والے ہیں اور سارے بھید اسکے نزدیک عیاں ہیں، اسکی عطا بھی بول ہے اور اسکی سزا بھی بول ہے ﴿اِنَّـمَا اَمْـرُهٗ اِذَآ اَرَادَ شَيْـئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ﴾ وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اتنا فرمادینا (کافی ہے) کہ ہوجا، وہ اسی وقت ہوجاتی ہے. (سورہ یٰس : ۸۲) (الوابل الصیب ص ۱۲۵ قدرے تصرف کے ساتھ)

۳ : — **علم شرعی کا حصول** : یہ وہ علم ہوتا ہے جسکے حاصل کرنے سے اللہ کی خشیت پیدا ہوتی ہے اور اللہ عزوجل پر ایمان میں اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا : ﴿اِنَّـمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ ''اللہ سے اسکے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں'' (فاطر : ۲۸) چنانچہ جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم

نہیں رکھتے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے، ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ جو شریعت کی تفصیلات، شہادتین کے معنیٰ، ان کے تقاضوں اور موت کے بعد قبر کے فتنہ، محشر کی ہولناکیوں، قیامت کے مواقف، جنت کی نعمتوں، جہنم کے عذاب اور احکام حلال و حرام کے سلسلے میں شریعت کی حکمت کو جانتا ہو اور نبی ﷺ کی سیرت اور اسکے علاوہ مختلف نوعیتوں کے علم سے آگاہ ہو اسے اس آدمی کے برابر قرار دیا جائے جو دین اور اس کے احکام اور شریعت میں وارد شدہ غیبی امور کے سلسلے میں جاہل ہو اور دین میں اسے اتنا حصہ ملا ہو کہ وہ تقلید کرتا ہو اور علم میں اسکی پونجی حقیر ہو ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”بتاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں“ (الزمر : ۹)

۴ : — **ذکر کے حلقوں کا اہتمام وانتظام کرنا** : متعدد اسباب کی وجہ سے یہ چیز ایمان میں اضافے کا سبب بنتی ہے، ایک تو اللہ تعالی کا ذکر کرنے کا موقع ملتا ہے، رحمت سایہ فگن ہوتی ہے، سکینت نازل ہوتی ہے، ذکر کرنے والوں کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالی ملاءِ اعلی میں ان کا ذکر فرماتا ہے، ان پر فرشتوں سے فخر کرتا ہے، اور ان کے گناہوں کی مغفرت فرما دیتا ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں آیا ہے اور اسی سلسلے میں نبی ﷺ کا یہ قول حسب ذیل ہے :(لا يقعد قوم يذكرون الله

اِلا حفتهم الملائكة وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة وذكرهم الله فيمن عنده) ''نہیں بیٹھتے ہیں کچھ لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے مگر یہ کہ فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں، رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے، اور سکینت ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالی ان لوگوں کے درمیان ان کا تذکرہ فرماتا ہے جو اس کے پاس ہوتے ہیں'' (صحیح مسلم : ۲۷۰۰)

اور حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیان کرتے ہیں ؛ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :(ما اجتمع قوم علی ذکر فتفرقوا عنہ اِلا قیل لھم : قوموا مغفوراً لکم) ''جب کچھ لوگ کسی ذکر پر جمع ہو کر جدا ہوتے ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس طرح کھڑے ہو جاؤ کہ تمہاری مغفرت کر دی گئی ہے'' (صحیح الجامع : ۵۵۰۷)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ''اللہ تعالی کے ذکر کا اطلاق کر کے اس کی واجب اور مستحب کردہ چیزوں پر مداومت کیساتھ عمل کرنا مراد ہوتا ہے جیسے تلاوت قرآن ،حدیث شریف کی قرأت اور علم کا مذاکرہ'' (فتح الباری ۱۱/۲۰۹) اور مجالس ذکر ایمان میں اضافے کا باعث ہیں اس پر دلالت کرنے والی ایک روایت وہ ہے جسکی تخریج امام مسلم رحمہ اللہ نے حنظلہ اسیدی کے واسطے سے اپنی صحیح میں کی ہے؛ بیان کرتے ہیں کہ میری ملاقات حضرت ابوبکر سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اے حنظلہ تم کیسے ہو؟ بیان کرتے

ہیں کہ میں نے کہا کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا، انہوں نے فرمایا سبحان اللہ! یہ تم کیا کہہ رہے ہو، بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں تو آپ ہمیں جنت اور جہنم کی یاد دلاتے ہیں تو کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ گویا ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پھر جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس سے چلے آتے ہیں اور بیوی بچوں اور جائداد- یعنی معاشی امور مال وحرفت یا کاری گری- میں مشغول ہو جاتے ہیں تو ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں، حضرت ابوبکر نے فرمایا: اللہ کی قسم اس جیسی کیفیت تو ہماری بھی ہو جاتی ہے چنانچہ میں اور حضرت ابوبکر چل پڑے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! حنظلہ منافق ہو گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو آپ ہمیں جنت اور جہنم کی یاد دلاتے ہیں تو کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ گویا ہم انہیں دیکھ رہے ہیں پھر جب ہم آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں اور بیوی بچوں اور معاشی امور میں مشغول ہو جاتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (والذي نفسي إن لو تدومون على ماتكونون عندي وفي الذكر لصافحتكم الملائكة على فرشكم وفي طرقكم ولكن يا حنظلة ساعة وساعة) ''اس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری

جان ہے اگر تم ہمیشہ اسی حال پر رہ جاؤ جس حال میں میرے پاس اور ذکر میں ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کریں، لیکن اے حنظلہ ایک گھڑی دوسری گھڑی سے مختلف ہوتی ہے تین مرتبہ.(صحیح مسلم : ۲۷۵۰)

صحابہ رضوان اللہ علیہم ذکر کے لئے بیٹھنے کا خاصہ اہتمام فرمایا کرتے تھے اور اسے ایمان قرار دیا کرتے تھے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے فرمایا آؤ بیٹھ جائیں تھوڑی دیر ایمان لائیں (اسکی اسناد صحیح ہے. اربع مسائل فی الایمان تحقیق الالبانی ص ۷۲)

۵ :- کثرت کے ساتھ اعمال صالحہ انجام دینا اور اپنے وقت کو ان سے پر رکھنا ان اسباب میں سے ہے جو ایمان کو تقویت دیتے اور مضبوط بناتے ہیں اور یہ علاج کے عظیم ترین اسباب میں سے ہے اور ایمان کی تقویت اور مضبوطی کے سلسلے میں اس کا معاملہ بہت بڑا اور اس کا اثر بہت واضح ہے، اور اس سلسلے میں حضرت صدیق نے بہت بڑا نمونہ پیش فرمایا ہے. جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے پوچھا کہ :(من أصبح منكم اليوم صائماً ؟ قال أبو بكر أنا، قال فمن تبع منكم اليوم جنازة ؟ قال أبو بكر أنا، قال، فمن أطعم منكم اليوم مسكيناً، قال أبو بكر أنا، قال فمن عاد منكم اليوم مريضاً؟ قال أبو بكر أنا، فقال رسول الله ﷺ،ما اجتمعن في امرئ اِلا دخل الجنة) آج تم میں سے کون

شخص روزے سے ہے؟ تو حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ میں، آپ نے پوچھا کہ تم میں سے کون شخص آج کسی جنازے کے پیچھے چلا ہے؟ تو حضرت ابوبکر نے فرمایا : میں. آپ نے پوچھا کہ آج تم میں سے کس نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ تو حضرت ابوبکر نے فرمایا میں نے، آپ نے پوچھا کہ آج تم میں سے کس شخص نے کسی مریض کی عیادت کی ہے؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا میں نے. تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :'' یہ خصلتیں جس شخص کے اندر بھی جمع ہوجائیں گی وہ جنت میں داخل ہوگا'' (مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب احدیث ۱۲)

یہ قصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ موقعوں کی تلاش میں رہا کرتے تھے اور قسم قسم کی عبادتیں انجام دیا کرتے تھے اور جب نبی ﷺ کی جانب سے اچانک سوال ہوگیا تو معلوم یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایام اطاعتوں سے پر رہا کرتے تھے. اور سلف رحمہم اللہ اعمال صالحہ میں اضافے اور اوقات کو ان سے پر رکھنے کے سلسلے میں بڑے بلند مقام کو پہونچے ہوئے تھے.

اسکی ایک مثال وہ عبارت ہے جو سلف کی ایک جماعت کے متعلق کہی جاتی تھی. انھیں میں سے ایک بزرگ حضرت حماد بن سلمہ ہیں جن کے متعلق حضرت عبدالرحمان بن مہدی فرماتے ہیں : ''اگر حماد بن سلمہ سے یہ کہا جائے کہ آپ کل مرجائیں گے تو وہ اپنے عمل میں مزید کوئی اضافہ نہیں کرسکیں گے'' (سیر اعلام النبلاء ۷/۴۴۷).

اعمال صالحہ کے متعلق چند توجہ طلب امور

ایک مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اعمال صالحہ کے مسئلے میں چند امور کو مدنظر رکھے جو حسب ذیل ہیں :

ان کے سلسلے میں تیز رفتاری کا مظاہرہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ ''اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے'' (آل عمران : ۱۳۳) ﴿سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ ''دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت برابر ہے'' (الحدید : ۲۱) ان آیات کا مدلول نبی ﷺ کے صحابہ کے یہاں مسارعت اور تیزی کا محرک ہوتا تھا. امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک سے غزوہ بدر کے واقعہ کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں : جب مشرکین قریب آ گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا : کھڑے ہو جاؤ جنت کی طرف جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، بیان کرتے ہیں : حضرت عمیر بن حمام انصاری کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول ! ایسی جنت جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے؟ انھوں نے فرمایا

ہاں ! تب انہوں نے کہا : واہ واہ! تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :(ما یحملک علی قولک بخ بخ)تم نے واہ واہ کیوں کہا ؟ انہوں نے کہا :اللہ کی قسم !اے اللہ کے رسول! اسکے سوااور کوئی بات نہیں تھی کہ مجھے اس بات کی امید لگ گئی کہ میں اسکے حقداروں میں سے ہو جاؤں .آپ نے فرمایا کہ تم اسکے حقداروں میں سے ہو.تب انہوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور انہیں کھانے لگے، پھرانہوں نے کہا: اگر میں اتنی دیر زندہ رہ جاؤں کہ میں اتنی کھجوریں کھالوں تب تو لمبی زندگی ہوجائے گی، بیان کرتے ہیں ''اس بات پر انہوں نے اپنی تمام کھجوریں پھینک دیں اور جنگ میں شامل ہوگئے اور اس وقت تک لڑتے رہے کہ شہید کر دیئے گئے''.(صحیح مسلم ۱۰۹۱) اور ان سے پہلے حضرت موسیٰ نے اللہ تعالی سے ملاقات میں تیزی دکھائی تھی ﴿وَعَجِلْتُ اِلَیْکَ رَبِّ لِتَرْضٰی﴾ ''تیری طرف جلدی اس لئے کی تا کہ تو خوش ہوجائے''(طٰہٰ : ۸۴)اور اللہ تعالی نے حضرت زکریا اور ان کے گھر والوں کی تعریف فرمائی ہے : ﴿اِنَّھُمْ کَانُوْا یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَباً وَّرَھَبًا وَکَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ﴾ ''اور یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں لالچ طمع اور ڈر خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے''(الانبیاء : ۹۰)اور نبی ﷺ نے فرمایا :(التؤدة في كل شيء

-وفي رواية خير -اِلا في عمل الآخرة)''ٹھہر کر اور اطمینان سے کام کرنا ہر چیز میں-اور ایک روایت میں بہتر ہے-مگر آخرت کے عمل میں''.

(اسے ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے ۵/ ۱۵۷، صحیح الجامع ۳۰۰۹)

انھیں تسلسل اور استمرار کے ساتھ انجام دیتے رہنا چاہیئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اپنے رب کے واسطے سے حدیث قدسی میں بیان فرماتے ہیں :(مايزال عبدي يتقرب اِليّ بالنوافل حتى أحبه) ''میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مسلسل میرا قرب حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں'' (صحیح بخاری ۶۱۳۷) اس حدیث میں مایزال کا لفظ آیا ہے جو استمراریت کا فائدہ دیتا ہے، اور نبی ﷺ فرماتے ہیں :(تابعوا الحج و العمرة) ''حج اور عمرہ کا یکے بعد دیگرے اہتمام کرتے رہو'' (ترمذی ۸۱۰، السلسلة الصحيحه ۱۲۰۰) اس حدیث میں تابع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور متابعت میں بھی استمرار ہی کا معنی پایا جاتا ہے، اور یہ اصول ایمان کی تقویت کے سلسلے میں بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ نفس کو اس طرح بیکار نہ چھوڑ دیا جائے کہ وہ آرام طلب ہو کر غفلت کا شکار ہو جائے، ہمیشہ انجام دیا جانے والا تھوڑا عمل بھی اس زیادہ عمل سے بہتر ہے جس میں انقطاع پیدا ہو جاتا ہو. اور اعمال صالحہ پر مداومت کرنا ایمان کے اندر مضبوطی پیدا کر دیتا ہے، چنانچہ نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون

سا عمل اللہ تعالی کو زیادہ محبوب ہے؟ تو آپ نے فرمایا :(أدومها وإن قل)''جو مداومت کے ساتھ انجام دیا جائے خواہ تھوڑا ہی ہو'' (بخاری مع فتح الباری ۱۱/۱۹۴) اور نبی ﷺ جب کوئی عمل کرتے تو اس پر جمے رہتے تھے (مسلم کتاب الصلاۃ المسافرین باب ۱۸ احدیث ۱۴۱)

جد و جہد کوشش اور محنت : دل کی سختی کے سلسلے میں یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کا وقتی علاج کر لیا جائے کہ ایک مخصوص مدت تک تو ایمان میں کچھ بہتری رہے پھر اس کے بعد وہ دوبارہ کمزوری کا شکار ہو جائے. بلکہ ایمان میں مسلسل پیش رفت اور بلندی ہوتی رہنی چاہیئے اور یہ چیز عبادت میں کوشش اور محنت کے بغیر نہیں ہو سکتی، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں عبادت کے سلسلے میں اپنے اولیاء کی جد و جہد اور جانفشانی کی متعدد حالتوں کا تذکرہ فرمایا ہے ﴿إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ، تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ﴾ ''ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں جنہیں جب کبھی ان سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے ہیں. ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا وہ خرچ کرتے

ہیں۔''(السجدہ : ۱۵-۱۶).

اورانہیں کے متعلق اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿كَانُوا قَلِيلاً مِّنَ اللَّيْلِ مَايَهْجَعُونَ. وَبِالْاَسْحَارِهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ. وَفِي اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾ ''وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھےاور وقت سحر استغفار کیا کرتے تھے اوران کے مال میں مانگنے والوں کااور سوال سے بچنے والوں کا حق تھا''(الذاریات : ۱۷،۱۸،۱۹)عابدوں کی صفات کا پتہ چلانے کے لئے سلف کے حالات سے آگاہی حاصل کرناایک ایسی چیز ہے جوانسان کوتعجب میں ڈال دیتی ہےاوراسکےاندراقتداءاور پیروی کاداعیہ پیدا کردیتی ہے.ان کی صفات کے چند پہلوحسب ذیل ہیں :

قرآن کا ساتواں حصہ وہ ہر دن ختم کیا کرتے تھے، جنگ وقتال کے موقع پر بھی وہ شب بیداری اور قیام اللیل کیا کرتے تھے حتی کہ قیدوبند کی صعوبتوں میں بھی ذکر الٰہی میں مشغول رہا کرتے تھے، صف بندی کے موقع پر وہ اپنے قدموں کو درست کررہے ہوتے تھےاور آنسوان کے رخساروں پر بہتے رہتے تھے، وہ آسمانوں اورزمین کی تخلیق کے سلسلے میں غوروتدبر فرمایا کرتے تھے، وہ اپنی بیویوں کوایسے ہی بہلادیا کرتے تھے جیسے کہ عورت اپنے بچے کو بہلاتی ہے، پھر جب انہیں یقین ہوجاتا کہ بیوی سوگئی ہے تو وہ چپکے سے لحاف اور بستر سے قیام اللیل کی خاطر نکل جایا کرتے تھے،انہوں نے رات

کو اپنے اور اپنی بیویوں کے درمیان تقسیم کر رکھا تھا اور ان کے دن روزوں، سیکھنے سکھانے، جنازوں میں شرکت کرنے، مریضوں کی عیادت کرنے اور لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں گزرتے تھے، اور بعض لوگ ایسے تھے کہ سالہا سال تک امام کے ساتھ ان کی تکبیر تحریمہ کبھی فوت نہیں ہوئی، وہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے منتظر رہا کرتے تھے، اپنے دوست یا ساتھی کی موت کے بعد سالہا سال تک ان کے گھر والوں کی خبر گیری کرتے اور ان کا خرچہ چلاتے رہتے تھے. اور جن کی یہ حالت ہو گی ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہی رہے گا.

نفس کو اکتاہٹ کا شکار نہ ہونے دینا : عبادتوں پر مداومت یا ان کے سلسلے میں جدوجہد اور محنت کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ نفس کو اکتاہٹ یا بیزاری کا شکار کر دیا جائے. بلکہ مقصد یہ ہے کہ طاقت بھر عبادتوں کا سلسلہ بلا انقطاع جاری رہنا چاہئیے اور اس سلسلے میں میانہ روی اور اعتدال کی راہ اپنائی جائے، جب نفس آمادہ نظر آئے تو سرگرمیاں بڑھا دی جائیں اور جب سستی پیدا ہونے لگے تو درمیانی راہ اپنائی جائے. اور احادیث کا ایک مجموعہ ان تصورات پر دلالت کرتا ہے. ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :(إن الدين يسر، ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه

فسددوا وقاربوا......) ''بیشک دین آسان ہے اور نہیں مقابلہ آرائی کرے گا کوئی شخص دین کے ساتھ مگر یہ کہ دین اس پر غالب آجائے گا، لہذا تم درستی اور میانہ روی کا طریقہ اختیار کرو...... (صحیح بخاری ۳۹) اور ایک روایت میں ہے کہ :(والقصد القصد تبلغوا) ''میانہ روی اپناؤ میانہ روی اپناؤ منزل تک پہونچ جاؤ گے (صحیح بخاری ۶۰۹۹)

بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : یہ باب ہے اس بیان میں کہ عبادتوں کے سلسلے میں تشدد اور سختی کرنا ناپسندیدہ ہے : حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ گھر کے اندر تشریف لائے تو دیکھا کہ دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی ہے آپ نے پوچھا یہ کیسی رسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت زینب کی رسی ہے جب ان کے اندر سستی پیدا ہونے لگتی ہے تو وہ اسی سے لٹک جاتی ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا (لا، حلوہ لیصل أحدکم نشاطه فإذا فتر فلیقعد) نہیں، اسے کھولدو جب تک تم میں سے کسی کے اندر چستی رہے نماز پڑھتا رہے اور جب سستی پیدا ہوجائے تو بیٹھ جائے'' (صحیح بخاری ۱۰۹۹) اور جب نبی ﷺ کو یہ پتہ چلا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رات رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں اور دنوں میں مسلسل روزے رکھتے ہیں تو آپ نے انہیں اس حرکت سے منع فرمادیا تھا. اور اس کا سبب یہ بیان فرمایا تھا کہ تمہاری آنکھ (شب بیداری کی کثرت کی وجہ سے) دھنس جائے گی یا کمزور ہوجائے گی

اورتمہارا نفس تھک جائے گا'' اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :(اكلفوا من العمل ماتطيقون فإن الله عزوجل لا يمل حتى تملوا وإن أحب الأعمال إلى الله عزوجل أدومه وإن قل)'' اتنے ہی عمل کا بوجھ اٹھاؤ جتنی تمہارے اندر طاقت ہو کیونکہ اللہ عزوجل نہیں اکتائے گا یہاں تک کہ تم ہی اکتا جاؤ گے اور اللہ تعالی کو سب سے محبوب وہ عمل ہے جو ہمیشہ انجام دیا جائے خواہ تھوڑا ہی ہو'' (بخاری مع فتح الباری ۳/ ۳۸)

تلافی مافات : یعنی جو مواقع ہاتھ سے نکل گئے ہیں ان کا تدارک کرنے کی کوشش کرنا. چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : (من نام عن حزبه من الليل، أوشيء منه فقرأه فيما بين صلاة الفجر وصلاة الظهر، كتب له كأنما قرأه من الليل)'' جو شخص سو جانے کی وجہ سے اپنا رات کا وظیفہ یا اس کا کوئی جز پورا نہ کرسکا ہو اور وہ اسے نماز فجر اور ظہر کے درمیان پڑھ لے تو اس کے لئے ایسا لکھا جائے گا گویا اس نے رات ہی میں پڑھا ہو''

(نسائی وغیرہ المجتبی ۲/ ٦٨، صحیح الجامع ١٢٢٨)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتی ہیں :(وعن عائشة رضي الله عنها قالت : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا صلى صلاة داوم عليها وكان إذا فاته القيام من الليل غلبته عيناه بنوم أو وجع صلى ثنتي عشرة

ركعة من النهار)رسول اللہ ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو اس پر مداومت کیا کرتے تھے اور جب نیند کے غلبہ یا کسی تکلیف کی وجہ سے آپ کا قیام اللیل فوت ہو جاتا تو آپ دن میں بارہ رکعتیں پڑھا کرتے'' (احمد ٦/٩٥)

اور جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے عصر کے بعد دو رکعتیں آپ کو پڑھتے ہوئے دیکھا اور ان کے متعلق سوال کیا تو آنحضرت ﷺ نے یہ جواب مرحمت فرمایا: (يا ابنة أبي أمية سألت عن الركعتين بعد العصر وإنه أتاني ناس من عبدالقيس فشغلوني عن الركعتين اللتين بعد الظهر فهما هاتان)اے ابوامیہ کی بیٹی! تو نے مجھ سے عصر کے بعد والی دو رکعتوں کے متعلق پوچھا ہے تو اس کا قصہ یہ ہے کہ قبیلۂ عبدالقیس کے کچھ لوگ میرے پاس آئے ہوئے تھے جن کی وجہ سے میں ظہر کے بعد والی دو رکعتیں نہیں ادا کر سکا تھا تو یہ وہی دونوں رکعتیں ہیں''. (بخاری مع فتح الباری ٣/١٠٥)

(وكان إذا لم يصل أربعاً قبل الظهر صلاهن بعده)اور جب ظہر سے پہلے چار رکعتیں نہیں ادا کر پاتے تھے تو انھیں بعد میں ادا کیا کرتے تھے'' (صحیح الجامع ٤٧٥٩) یہ حدیثیں مؤکدہ سنتوں کی قضا پر دلالت کرتی ہیں اور دیگر مہینوں کی بہ نسبت شعبان کے مہینے میں نبی ﷺ کے کثرت سے روزہ رکھنے کی ابن قیم رحمہ اللہ نے تین وجوہات بیان فرمائی ہیں جن میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ آپ ہر مہینے میں تین روزہ رکھا کرتے تھے اور

بسا اوقات کئی مہینے آپ کو یہ روزے رکھنے کا موقع نہیں مل پاتا تھا لہذا آپ ان سب کو شعبان میں جمع کر لیا کرتے تھے .تاکہ فرض روزوں یعنی رمضان سے پہلے پہلے اس کی تلافی ہو جائے" (تہذیب سنن -ابی داؤد ۳/ ۳۱۸) نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے اور جب کسی مرتبہ سفر وغیرہ کے پیش آجانے سے اعتکاف نہیں کر پاتے تھے تو آئندہ سال بیس دن اعتکاف فرمایا کرتے تھے، (فتح الباری ۴/ ۲۵۸).

قبولیت کی امید کے ساتھ ساتھ عدم قبولیت سے خوف زدہ رہنا : اطاعتوں میں کوشش اور محنت کے ساتھ ساتھ اس بات سے ڈرتے رہنا چاہئیے کہ کہیں انھیں رد نہ کر دیا جائے. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا: ﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ "اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل کپکپاتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں" (المومنون : ٦٠) حضرت عائشہ نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا : (لا یا ابنة الصدیق ولکنهم الذین یصومون ویصلون ویتصدقون وهم یخافون أن لا یقبل منهم أولئک الذین یسارعون في الخیرات) "نہیں اے صدیق کی بیٹی! یہ تو وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقہ

وخیرات کرتے ہیں اس کے باوجود ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں، یہی وہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں تیزی دکھاتے ہیں''.(ترمذی ۳۱۷۵،السلسلة الصحیحہ۱/۱۶۲)

اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : ''مجھے اس بات کا یقین ہو جائے کہ اللہ تعالی نے میری ایک وقت کی نماز قبول فرمالی ہے تو یہ میرے نزدیک دنیا ومافیہا سے بہتر ہے، بیشک اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالی متقیوں سے قبول فرماتا ہے'' (تفسیر بن کثیر ۳/ ۶۷)

مومنین کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالی کے حق واجب کے سامنے اپنے آپ کو حقیر سمجھتے ہیں. نبی ﷺ فرماتے ہیں :(لو أن رجلا يجر على وجهه من يوم ولد إلى يوم يموت هرما في مرضاة الله عزوجل لحقره يوم القيامة)'' اگر کوئی شخص پیدا ہونے کے دن سے لے کر انتہائی بڑھاپے کی حالت میں مرنے کے دن تک اللہ تعالی کی رضامندی کے کاموں میں اپنے چہرے کے بل گھسیٹا جاتا رہے تو بھی وہ اسے قیامت کے دن حقیر جانے گا'' (مسند احمد ۴/ ۱۸۵،صحیح الجامع : ۵۲۴۹)

جو شخص اللہ تعالی کو پہچان لے اور اپنے نفس کو پہچان لے تو اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ اسکے ساتھ جو پونجی ہے وہ کافی نہیں ہے خواہ وہ انس وجن کے عمل کے برابر بوجھ لے کر آئے .اللہ سبحانہ وتعالی تو اپنے جودوکرم کی وجہ سے قبول فرماتا ہے اور

نیکیوں پر ثواب بھی اپنے جود وکرم اور احسان ہی سے عطا فرماتا ہے.

٦ : — مختلف قسم کی اور نوع بہ نوع عبادتیں انجام دینا:

اللہ تعالی کی رحمت وحکمت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اس نے ہم پر قسم قسم کی عبادتوں کی ذمہ داری لگائی ہے، چنانچہ ان میں کچھ عبادتیں تو ایسی ہوتی ہیں جن کا تعلق بدن سے ہوتا ہے جیسے نماز اور کچھ کا تعلق مال سے ہوتا ہے جیسے زکوۃ اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جن کا تعلق دونوں سے ہوتا ہے جیسے حج، کچھ عبادتیں زبان سے ادا کی جاتی ہیں جیسے دعا وذکر اور یہ تنوع یہاں تک ہوتا ہے کہ ایک ہی نوع کو فرائض وسنن اور مستحبات میں تقسیم کردیا جاتا ہے اور فرائض بھی نوع بہ نوع ہوتے ہیں اور یہی معاملہ سنتوں کا بھی ہوتا ہے جیسے نماز کہ اس میں بارہ رکعتیں ایک ہی دن میں سنن مؤکدہ ہیں اور کچھ سنتیں ان سے کم رتبہ کی ہوتی ہیں جیسے عصر سے پہلے کی چار رکعتیں اور چاشت کی نماز اور کچھ سنتیں ایسی ہوتی ہیں جو ان سے اعلی ہوتی ہیں جیسے صلاۃ اللیل .اور ان کی کیفیات بھی متعدد ہیں، ایک طریقہ یہ ہے کہ دو دو کرکے انہیں ادا کیا جائے یا پہلے چار رکعت پڑھی جائے پھر چار رکعت پڑھی جائے پھر وتر پڑھ لی جائے .اور ایک طریقہ یہ ہے کہ پانچ یا سات یا نو رکعتیں ایک ہی تشہد سے ادا کی جائیں ،اسی طرح جو شخص عبادتوں کا تتبع کرے گا اسے اعداد واوقات وھیئات وصفات اور احکام میں عظیم تنوع نظر آئے گا اور اس میں

حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسا کرنے سے نفس کے اندر اکتاہٹ نہ پیدا ہوگی اور تجدد کا سلسلہ جاری رہے گا پھر تمام نفوس کشش اور امکانیات کے اعتبار سے یکساں بھی نہیں ہوتے ہیں، بعض نفوس کو کچھ عبادتوں میں دوسروں سے کچھ زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے اور پاک ہے وہ ذات جس نے جنت کے دروازوں کو عبادتوں کی قسموں کے مطابق بنا رکھا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :(من أنفق زوجين في سبيل الله نودي من أبواب الجنة : يا عبدالله هذا خير فمن كان من أهل الصلاة دعي من باب الصلاة ومن كان من أهل الجهاد دعي من باب الجهاد ومن كان من أهل الصيام دعي من باب الريان ومن كان من أهل الصدقة دعي من باب الصدقة) ’’جو شخص اللہ کے راستے میں ایک جوڑا خرچ کرے اسے جنت کے دروازوں سے آواز دی جائے گی : اے اللہ کے بندے! یہ خیر ہے. پھر جو شخص نماز والوں میں سے ہوگا اسے نماز کے دروازے سے بلایا جائے گا اور جو شخص جہاد والوں میں سے ہوگا اسے جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا اور جو شخص روزے والوں میں سے ہوگا اسے باب الریان سے بلایا جائے گا اور جو شخص صدقہ والوں میں سے ہوگا اسے صدقہ کے دروازے سے بلایا جائے گا‘‘ (بخاری : ۱۷۹۸) یہاں مراد ان لوگوں کا بیان ہے جو ہر

عبادت میں کثرت سے نوافل کا اہتمام کرنے والے ہیں کیونکہ فرائض تو سبھی پر لازم ہیں اور نبی ﷺ نے فرمایا: (الأب أوسط أبواب الجنة) ''باپ جنت کے دروازوں کا درمیانی حصہ ہے'' (ترمذی: ۱۹۰۰، صحیح الجامع: ۷۱۴۵) مطلب یہ ہے کہ والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کیا جائے۔

ایمان کی کمزوری کا علاج اور ان عبادتوں کو کثرت سے انجام دینے کے سلسلے میں اس تنوع سے استفادہ ممکن ہے جن کی طرف نفس کا میلان زیادہ ہو انہیں اپنا لیا جائے جبکہ ان فرائض اور واجبات پر محافظت کی جائے جن کا حکم اللہ تعالی نے دے رکھا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مسلمان آدمی جب عبادتوں کے نصوص کو اپنے سامنے لائے تو اسے کچھ ایسی انوکھی قسمیں مل جائیں جن کے اثرات اور لطیف قسم کی معنویتیں نفس کے اندر ظاہر ہو جائیں جو دوسری عبادتوں میں نہیں مل سکتی ہیں. اسکی دو مثالیں پیش خدمت ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: (ثلاثة يحبهم الله، وثلاثة يشنؤهم الله - أي يبغضهم - أما الثلاثة الذين يحبهم الله الرجل يلقى العدو في الفئة فينصب لهم نحره حتى يقتل أو يفتح لأصحابه، والقوم يسافرون فيطول سراهم حتى يحبوا أن يمسوا الأرض فينزلون فيتنحى أحدهم فيصلي حتى يو قظهم لر حيلهم

والرجل يكون له الجار يؤذيه جواره فيصبر على أذاه حتى يفرق بينهما موت أو ظعن) ”تین لوگوں کواللہ تعالی محبوب رکھتا ہے اور تین لوگوں سے اللہ تعالی نفرت کرتا ہے، جن تین لوگوں کو اللہ تعالی محبوب رکھتا ہے ان میں ایک وہ شخص ہے جسکی ایک جماعت کے ساتھ دشمن سے مڈبھیڑ ہوتی ہے تو وہ سینہ سپر ہو جا تا ہے یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا جائے یا اسکے ساتھیوں کو فتح حاصل ہو جائے ، اور کچھ لوگ جو سفر کرتے ہیں اور ان کا سفر لمبا ہو جا تا ہے تو وہ یہ چاہنے لگتے ہیں کہ کسی زمین پر شام ہو جائے اور وہ پڑاؤ ڈالدیں، پھر ایک شخص ان میں الگ ہٹ کر نماز پڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ انھیں کوچ کرنے کے لئے بیدار کرتا ہے، اور ایک شخص وہ ہے جس کا کوئی ایسا پڑوسی ہو جسکے پڑوس میں رہنے سے اسے اذیت ہوتی ہو اور وہ اسکی اذیت رسانی پر صبر کرتا رہے یہاں تک کہ موت یا سفر ان دونوں کے درمیان جدائی پیدا کر دے“ (مسند احمد : ۵/۱۵۱،صحیح الجامع :۳۰۷۴)

ایک شخص نبی ﷺ کے پاس اپنے سختی قلب کی شکایت کرنے آیا تو نبی ﷺ نے فرمایا :(أتحب أن يلين قلبك وتدرك حاجتك ؟ أرحم اليتيم، وامسح رأسه، وأطعمه من طعامك ، يلن قلبك وتدرك حاجتك) ”کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے اور تمہاری مراد پوری ہو جائے ؟ یتیم پر رحم کرو اسکے سر پر ہاتھ پھیرو اور اسے اپنا کھانا کھلاؤ، تمہارا دل نرم ہو جائے گا اور تمہاری مراد

پوری ہوجائے گی'' (اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اسکے شواہد ہیں، السلسلة الصحيحه ٢/ ٥٣٣)

ضعف ایمان کے علاج سے متعلق موضوع کے سلسلے میں یہ حدیث راست شاہد ہے.

٧ : - ضعف ایمان کے علاج کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی سوء خاتمہ (بری موت) سے ڈرتا رہے، کیونکہ یہ چیز ایک مسلمان کو اطاعت پر آمادہ کرتی ہے اور اسکے دل میں ایمان کی تجدید کا سبب بنتی ہے، جہاں تک سوء خاتمہ کا معاملہ ہے تو اسکے اسباب بہت سے ہیں :

ضعف ایمان اور معصیتوں میں منہمک ہوجانا، نبی ﷺ نے اسکی مختلف صورتیں بیان فرمائیں ہیں، مثال کے طور پر نبی ﷺ کا یہ قول ہے :(**من قتل نفسه بحديدة فحديدته في يديه يتوجأ - أي يطعن - بها في بطنه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً ومن شرب سماً فقتل نفسه فهو يتحساه - أي يشربه في تمهل ويتجرعه- في نار جهنم خالداً مخلداًفيها أبداً ومن تردى من جبل فقتل نفسه فهو يتردى في نار جهنم خالداً مخلداًفيها أبداً**)''جو شخص کسی دھاردار چیز سے اپنے آپ کو قتل کرلے تو وہ دھاردار چیز اسکے ہاتھ میں ہوگی اور وہ اس سے اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیش کچوکے لگاتا رہے گا، اور جس شخص نے کوئی زہر پی کر اپنے آپ کو قتل کرلیا ہوگا تو وہ

اسے جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیش دھیرے دھیرے پیتا رہے گا اور جس شخص نے پہاڑ سے چھلانگ لگا کر خودکشی کرلی ہوگی تو وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیش چھلانگ لگاتا رہے گا. (صحیح مسلم ۱۰۹) اور نبی ﷺ کے زمانے میں اسی قسم کے چند واقعات رونما ہوئے تھے جس میں ایک تو اس شخص کا قصہ ہے جو مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ تھا اور کافروں سے ایسی جنگ کررہا تھا کہ اس کی طرح کسی نے بھی جنگ نہ کی تھی، پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ :(أما اِنه من اهل النار) ''آگاہ رہو کہ یہ شخص اہل نار میں سے ہے'' چنانچہ ایک مسلمان اس کے پیچھے لگ گیا، پھر اس شخص کو ایک شدید زخم آیا اور اس نے موت کو گلے لگانے کا فیصلہ کرلیا، اور اس نے اپنی تلوار کو اپنی چھاتی کے بیچ رکھا اور اس پر ڈھے گیا اور خودکشی کرلی (یہ قصہ صحیح بخاری میں ہے. فتح الباری ۷۱/۴)

سوء خاتمہ کے سلسلے میں لوگوں کے احوال بہت سے ہیں جن میں سے کچھ کو اہل علم نے قلمبند فرمایا ہے، اسی طرح کا ایک واقعہ وہ بھی ہے جسکا تذکرہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے الداء والدواء نامی کتاب میں کیا ہے، قصہ یوں ہے کہ ایک شخص سے اسکی موت کے وقت کہا گیا کہ لا الـه الا الـلـه کہو تو اس نے جواب دیا کہ میں اسے نہیں کہہ پاتا ہوں اور ایک دوسرے شخص سے لا الـه الا الله کہنے کو کہا گیا تو وہ گانے کے بول الاپنے لگا، اور ایک ایسے تاجر سے جسے اسکی تجارت نے اللہ کے ذکر سے غافل کر رکھا تھا جب

موت کے وقت لا الہ الا اللہ کہلوانے کی کوشش کی گئی تو وہ کہنے لگا کہ یہ ٹکڑا عمدہ ہے یہ تمہاری حیثیت کے موافق ہے، یہ سستا بھی ہے. اور یہی کہتے کہتے وہ شخص مرگیا. (طریق الہجرتین ص ۳۰۸) بیان کیا جاتا ہے کہ ملک ناصر کے فوجیوں میں سے ایک شخص پر جب موت طاری ہوئی تو اسکے لڑکے نے اسے لا الہ الا اللہ کی تلقین کی مگر اس نے کہا کہ ناصر میرا آقا ہے، غرضیکہ لڑکا بار بار اسے لا الہ الا اللہ کہنے کی تلقین کرتا رہا اور وہ ہر بار یہی کہتا رہا کہ ناصر میرا آقا ہے! ناصر میرا آقا ہے ! اسکی اسی حالت میں موت واقع ہوگئی، اور ایک دوسرے شخص کو جب لا الہ الا اللہ کہنے کی تلقین کی گئی تو وہ کہنے لگا فلاں گھر کو درست کرادو اسمیں ایسا ایسا ہے اور فلاں باغ کو ایسا ایسا کردو، اور جب ایک سود خور سے اسکی موت کے وقت لا الــہ الا الــلــہ کہنے کا مطالبہ کیا گیا تو وہ کہنے لگا دس جمع گیارہ اور بار بار یہی کہتے کہتے مرگیا. (الداء والدواء ص ۱۷۰، ۲۸۹) اور کچھ لوگوں کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے یا قبیلہ سے ان کا رخ مڑ جاتا ہے، ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ''میں نے کچھ ایسے لوگوں سے جن کے متعلق کثرت خیر کا گمان رکھتا تھا اپنی موت کی راتوں میں یہ کہتے سنا کہ وہ دیکھو میرا رب میرے اوپر ظلم کررہا ہے''- جبکہ اللہ تعالی ایسی بات سے بلند ہے- اسنے بستر مرگ پر اللہ تعالی کو ظلم سے متہم کیا. پھر ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : پھر میں مسلسل ایسی تیاری کے سلسلے میں کبیدہ خاطر

اور فکر مند رہا جسکے ذریعہ اس دن کا سامنا کرسکوں. (صید الخواطر ص ۱۳۷) سبحان اللہ! لوگوں نے اس سلسلے میں کتنی عبرتوں کا مشاہدہ کیا ہے؟ جبکہ سکرات موت کا شکار لوگوں کے وہ احوال جو مخفی رہ گئے ہیں کہیں زیادہ اور زیادہ ہیں. (الداء والدواء ص ۱۷۱)

۸ : — کثرت سے موت کو یاد رکھنا: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں :

(أكثر وامن ذكر هاذم اللذات يعني الموت) ''لذتوں کو کرکرا کرنے والی یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو'' (ترمذی ۲۳۰۷، صحیح الجامع : ۱۲۱۰).

موت کی یاد گناہوں سے باز رکھتی ہے اور سخت دل کو نرم کردیتی ہے اور جب بھی کوئی شخص معیشت کی تنگی میں اسے یاد کرتا ہے تو وہ کشادہ ہوجاتی ہے اور جب کشادگی میں اسے یاد کرتا ہے تو وہ تنگ ہوجاتی ہے. اور موت کو سب سے زیادہ یاد لانے والی چیز قبروں کی زیارت ہے اسی لئے نبی ﷺ نے زیارت قبور کا حکم دیا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا : **(كنت نهيتكم عن زيارة القبور، ألا فزوروها فإنهاترق القلب، وتدمع العين، وتذكر الآخرة، ولا تقولوا هجراً)** ''میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب آگاہ ہوجاؤ کہ تمہیں ان کی زیارت کرنی ہے کیونکہ وہ دلوں کو نرم کرتی ہے، آنکھوں میں آنسو لاتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے اور فضول باتیں نہ کیا کرو (حاکم ۱/۳۷۶، صحیح الجامع ۴۵۸۴) بلکہ مسلمان کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ نصیحت حاصل

کرنے کے لئے کفار کی قبروں کی بھی زیارت کرلے. اسکی دلیل وہ روایت ہے جو صحیح میں نبی ﷺ سے وارد ہوئی ہے کہ آپ نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی اور خود بھی روئے اور اپنے ارد گرد دوسروں کو بھی رلایا. پھر آپ نے فرمایا: (زار قبر أمه فبكى وأبكى من حوله فقال : استأذنت ربي في أن أستغفرلها فلم يأذن لي، واستأذنته في أن أزورقبرها فأذن لي، فزوروا القبور فإنها تذكر الموت) میں نے اپنے رب سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی اجازت مانگی تھی مگر اسنے مجھے اجازت نہیں دی اور میں نے ان کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت طلب کی تو اس نے مجھے اجازت دیدی چنانچہ تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ موت کی یاد دلاتی ہے (مسلم ۳/۶۵) لہذا معلوم یہ ہوا کہ قبروں کی زیارت دلوں کو نرم کرنے کا سب سے بڑا وسیلہ ہے اور زائر کو اس سے موت کی یاد کا فائدہ ملتا ہے. اسی طرح مردے بھی لوگوں کی دعاؤں سے مستفید ہوتے ہیں اور اس ضمن میں سنت کے ذخیرے میں جو چیز وارد ہوئی ہے وہ نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے : ''السلام عليكم اهل الديار من المؤمنين والمسلمين ويرحم الله المستقدمين منا والمستأخرين وانا ان شاء الله بكم للاحقون '' مومنوں اور مسلمانوں میں سے بستی کے مکینو! تم پر سلامتی ہو اور اللہ تعالی ہم میں سے پہلے گزر جانے والوں اور پیچھے رہ جانے والوں پر رحم

فرمائے اور ہم انشاء اللہ تم میں شامل ہی ہونے والے ہیں. (مسلم ۹۷۴)اور جو شخص زیارت کا عزم رکھتا ہو اسے آداب زیارت کا پاس ولحاظ کرنا چاہیئے اور حضور قلب کے ساتھ آنا چاہیئے اور اپنی زیارت سے رضائے الٰہی اور فساد قلب کی اصلاح مقصود ہونی چاہیئے. پھر اس شخص سے عبرت حاصل کی جائے جو منوں مٹی کے نیچے جا سویا ہے اور اپنے اہل وعیال اور دوست واحباب سے جدا ہو گیا ہے. زائر کو اپنے ان دوستوں اور ہم عصروں کے احوال پر غور کرنا چاہیئے جو گزر گئے اور آگے بڑھ گئے، جو اپنی آرزؤں کی منزل پر پہونچ چکے اور مال جمع کئے کہ کیسے ان کی آرزؤں کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور ان کا مال انھیں کوئی نفع نہ پہونچا سکا، مٹی نے ان کے خوبصورت چہروں کا نقشہ بگاڑ دیا اور قبروں میں انکے اجزاء بکھر گئے، ان کے بعد ان کی عورتیں رانڈ ہو گئیں اور ان کی اولاد کو یتیمی کا دکھ جھیلنا پڑا، آدمی کو اسباب کی فریب کاریوں، صحت و شباب پر اعتماد اور لہولعب کی طرف جھکنے کی آفت سے ہمہ دم آگاہ رہنا چاہیئے اور اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کا بھی وہی انجام ہونے والا ہے جو ان لوگوں کا ہوا ہے. اور میت کی حالت پر غور کرنا چاہیئے کہ اسکے قدم کیسے ڈھئے گئے، اسکی آنکھیں کیسے بہہ پڑیں، اسکی زبان کو کیڑوں نے کیسے کھالیا اور اسکے دانتوں کو مٹی نے کیسے بوسیدہ کر دیا (التذکرہ للقرطبی ومابعد قدرے تصرف کے ساتھ)

یامن یصیح اِلی داعي الشقاء وقد

نادی به الناعیان الشیب والکبر

اِن کنت لا تسمع الذکری ففیم تری

في رأسک الواعیان السمع والبصر

لیس الأصم ولا الأعمی سوی رجل

لم یهده الهادیان العین والأثر

لاالدهر یبقي ولا الدنیا ولا الفلک

الأعلی والا النیران الشمس والقمر

لیرحلن عن الدنیا واِن کرها

فراقها الثاویان البدو والحضر

اے وہ شخص جو بدبختی کی دعوت دینے والے کے پیچھے بھاگ رہا ہے جبکہ موت کی خبر نشر کرنے والی دو چیزوں بال کی سفیدی اور بڑھاپے نے اسے پکارا ہے.

اگر تو نصیحتیں نہیں سنتا ہے تو تو اپنے سر میں دو ادراک کرنے والی چیزیں کان، آنکھ کیوں دیکھتا ہے.

اس شخص کے سوا کوئی بھی بہرہ اور اندھا نہیں ہے جسکی رہنمائی دو ھادی آنکھ اور عمر نہ کر سکیں.

نہ زمانہ باقی رہے گا نہ دنیا نہ بلند آسمان نہ دو روشنیاں بکھیرنے والے شمس وقمر باقی رہیں گے.

دنیا سے کوچ کر جائے گا اگر چہ اسکی جدائی تجھے ناپسند ہو جس طرح دیہات اور شہر جدا ہوتے ہیں.

اشعار عبداللہ بن محمد اندلسی سنتریني کے ہیں (تفسیر ابن کثیر ۵/۴۳۶).

جو شخص کثرت سے موت کی یاد کرتا ہے اسے تین چیزوں کا فائدہ نصیب ہوتا ہے : توبہ کی توفیق جلد ہی مل جاتی ہے، دل میں قناعت پیدا ہوتی ہے اور عبادت میں نشاط ہوتا ہے، اور جو شخص موت کو بھول جاتا ہے اسے تین قسم کے نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ،توبہ کرنے میں ٹال مٹول سے کام لینے لگتا ہے، بقدر کفاف معیشت پر راضی نہیں ہوتا ہے اور عبادت میں سستی کا عادی ہو جاتا ہے. اور موت کے مناظر میں سے جو چیز نفس پر اثر انداز ہوتی ہے انہیں میں سے ایک یہ ہے کہ سکرات موت کا شکار لوگوں کو دیکھا جائے کیونکہ میت کو دیکھنا اسکے سکرات اور حالت نزع کا مشاہدہ کرنا اور موت کے بعد اسکی صورت پر غور کرنا ان امور میں سے ہے جو لذتوں کو کرا کر دیتے ہیں، پلکوں سے نیند اڑا دیتے ہیں اور جسم کو راحت سے باز رکھتے ہیں، عمل کے داعی ہوتے ہیں اور جد و جہد کی رفتار بڑھا دیتے ہیں.

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ایک مریض کی عیادت کرنے گئے تو اس پر سکرات الموت کی حالت طاری تھی چنانچہ جب انہوں نے اسکے کرب وشدت اور اس پر طاری ہونے والی کیفیات کو ملاحظہ فرمایا تو اپنے گھر والوں کے پاس دوسرے رنگ میں واپس آئے. وہ رنگ بدل چکا تھا جسمیں آپ اپنے گھر والوں کے پاس سے گئے تھے.

ان لوگوں نے کہا اللہ آپ پر رحم کرے کھانا کھا لیجئے تو انہوں نے فرمایا : ''ہائے میرے گھر والو تم اپنا کھانا پانی کھاؤ پیؤ میں نے تو اللہ کی قسم وہ پچھاڑ دیکھی ہے کہ میں مسلسل اس کے لئے عمل کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میرا اس سے سامنا ہو جائے.

(التذکرہ ص ۱۷)

موت کے احساس کی تکمیل اس طرح ہوگی کہ میت کی نماز جنازہ پڑھی جائے اسے کاندھوں پر اٹھایا جائے اور قبرستان کی طرف لے جایا جائے اور میت کو دفن کر کے اس پر مٹی ڈالدی جائے، یہ چیز آخرت کی یاد دلائے گی.

نبی ﷺ فرماتے ہیں :(عودوا المرضی واتبعوا الجنائز تذکرکم الآخرة)

''مریضوں کی عیادت کرو اور جنازوں کے پیچھے چلو جو تمہیں موت کی یاد دلائیں گے (احمد ۳/۴۸، صحیح الجامع ۴۱۰۹) مزید برآں جنازے کے پیچھے چلنے میں بہت بڑا اجر بھی ہے جسکا تذکرہ نبی ﷺ نے اپنے ارشاد میں فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے گھر سے جنازے میں

حاضر ہو اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جو شخص ایمان رکھتے ہوئے اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے پیچھے چلے یہاں تک کہ اسکی نماز جنازہ ادا کرلے تو اس کے لئے ایک قیراط ہے اور جو شخص اس میں دفن تک حاضر رہے تو اسے اجر کے دو قیراط ملیں گے لوگوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ دو قیراط کیا ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا دو عظیم پہاڑوں کی مانند، اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ہر قیراط احد کی طرح ہوتا ہے. اسے شیخین نے روایت کیا ہے اور سیاق روایات کے مجموعے سے لیا گیا ہے.

(احکام الجنائز للالبانی ص ٦٧)

اور سلف رحمہ اللہ جب کسی گناہ میں پڑے ہوئے شخص کو نصیحت فرماتے تو اسے موت کی یاد دلایا کرتے تھے. یہ سلف رحمہ اللہ میں سے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ ان کی مجلس میں ایک شخص نے دوسرے شخص کی غیبت کی تو انھوں نے غیبت کرنے والے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا :(اذكر القطن اِذا وضعوه على عينيک) ''روئی کو یاد کرو جب لوگ اسے تمہاری آنکھوں پر رکھیں گے''، یعنی تکفین کے وقت.

۹ : - جو امور دل میں ایمان کی تجدید کرتے ہیں انہیں میں سے ایک منازل آخرت کا یاد کرنا بھی ہے، ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ''جب اسکی فکر صحیح ہوگی تو لامحالہ اسے بصیرت حاصل ہو جائے گی کیونکہ یہ دل میں ایک طرح کا نور

ہوتی ہے جس سے آدمی وعدووعید، جنت وجہنم اور اللہ نے اس میں جو کچھ اپنے اولیاء
کے لئے تیار کیا ہے اور اس میں جو کچھ اپنے دشمنوں کے لئے تیار کیا ہے کو دیکھنے لگتا
ہے. وہ لوگوں کو اس حالت میں دیکھتا ہے کہ وہ حق کی دعوت پر سر جھکائے ہوئے اپنی
قبروں سے نکل پڑے ہیں.

اور فرشتے آسمان سے اتر کر اسے اپنے گھیرے میں لے چکے ہیں، اللہ تعالی آیا ہے اور
اسنے معاملات کے فیصلے کے لئے اپنی کرسی نصب فرمادی ہے اور زمین اسکے نور سے منور
ہوچکی ہے، کتاب رکھ دی گئی ہے اور انبیاء اور شہداء کو لے آیا گیا ہے، میزان نصب
کر دی گئی ہے اور صحیفے اڑ رہے ہیں، خصوم جمع ہیں اور ہر صاحب حق نے اپنے مخالف کو
پکڑ رکھا ہے، حوض چمک رہا ہے، اور اسکے پیالے قریب ہی جمع ہیں، پیاس بڑھی ہوئی
ہے اور حاصل کم ہے، پار جانے کے لئے پل نصب کر دیا گیا ہے، لوگ وہاں اکٹھا
ہونے پر مجبور ہو گئے ہیں، اس پر سے گزرنے کے لئے اسکی تاریکی کے مقابلے میں
انوار تقسیم کئے جا چکے ہیں، اسکے نیچے آگ کے شعلے باہم لپٹ کر ایک دوسرے کو کھائے
جا رہے ہیں، اور اس آگ کا نوالہ بن جانے والے ان سے کہیں اور کہیں زیادہ ہوں
گے جو اس سے بچ کر نکل جائیں گے. اس طرح اسکے دل میں ایک آنکھ کھل جائے گی
جس سے وہ اس کا مشاہدہ کرے گا اور اسکے دل میں آخرت کے شواہد میں سے ایک شاہد

کھڑا ہو جائے گا جو اسے آخرت اور اسکے دوام اور دنیا اور اسکے بہت جلد خاتمے کا معائنہ کرائے گا.(مدارج السارکین ۱/۱۲۳) .قرآن عظیم میں یوم آخرت کے مناظر کا بہت تذکرہ کیا گیا ہے سورۂ ق، سورہ ٔواقعہ ، سورہ ٔقیامہ ، سورۂ مرسلات، سورۂ نباء، سورۂ مطففین اور سورۂ تکویر وغیرہ میں.اسی طرح مصنفات حدیث میں قیامت رقاق، جنت اور نار جیسے ابواب کے تحت اس کا تذکرہ آیا ہے، اس پہلو سے متعلق ان اہل علم کی کتابوں کا پڑھنا بھی بہت اہم ہے جو خاص اسی غرض سے لکھی گئی ہوں جیسے ابن القیم کی ''حادی الارواح'' ابن کثیر کی ''النھایة فی الفتن والملاحم '' قرطبی کی ''التذکرہ فی احوال الموتی وأمور الآخرة ''اور عمر الاشقر کی ''القیامة الکبری ''اور ''الجنة والنار'' وغیرہ، مقصود یہ ہے کہ قیامت کے مناظر جیسے بعث ونشور، حشر، شفاعت، حساب وجزا، قصاص، میزان، حوض، صراط ،دار القرار اور جنت ونار کے متعلق معلومات حاصل کرنا ان امور میں سے ہے جو ایمان میں اضافے کا باعث ہوتے ہیں.

۱۰ : - حسب ذیل امور بھی ایمان کی تجدید میں اہم کردار ادا کرتے ہیں : کائنات کی نشانیوں پر غور وتدبر اور ان سے عبرت حاصل کرنا. بخاری اور مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بادل یا ہوا

کو دیکھتے تو اس کے اثرات آپ کے چہرۂ مبارک پر دیکھے جاسکتے تھے اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ عرض کرتی ہیں : اے اللہ کے رسول میں دیکھتی ہوں کہ جب لوگ بادل کو دیکھتے ہیں تو اس توقع پر خوش ہوجاتے ہیں کہ اس میں بارش ہوگی اور آپ کو دیکھتی ہوں جب آپ بادل کا مشاہدہ فرماتے ہیں تو آپ کے چہرے پر کراہیت کا رنگ جھلکنے لگتا ہے، آپ نے فرمایا : ''اے عائشہ ! میں اس بات سے کیسے مطمئن ہوجاؤں کہ اس میں عذاب ہوگا جبکہ کچھ لوگوں کو ہوا کا عذاب دیا گیا تھا اور کچھ لوگوں نے جب عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے تھے : یہ بادل ہے جو ہم پر پانی برسائے گا۔(مسلم ٨٩٩)

اور نبی ﷺ جب سورج میں گرہن لگا ہوا دیکھتے تو گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں ؛ کہ سورج گہن لگا تو نبی ﷺ اس خوف سے گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ کہیں قیامت نہ آ گئی ہو، (فتح الباری ٢/٥٤٥)

اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ جب چاند، سورج میں گرہن لگے تو ہم نماز کی طرف بھاگ کھڑے ہوں اور یہ خبر دی ہے کہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں جن سے اللہ تعالی اپنے بندوں کو خوف دلاتا ہے، اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ دل کا ان مظاہر کے ساتھ سرگرم ہونا اور ان سے گھبرا اٹھنا ان امور میں سے ہے جو دل میں ایمان

کی تجدید کرتے ہیں اور اللہ کے عذاب، اسکی پکڑ، اسکی عظمت وقوت اور سزاء کی یاد دلاتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا پھر چاند کی جانب اشارہ کیا اور فرمایا :(أخذ رسول الله ﷺ بيدي ثم أشار إلى القمر فقال : يا عائشة : استعيذي بالله من شر هذا فإن هذا هو الغاسق إذا وقب)''اے عائشہ اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ یہی وہ غاسق ہے جب پھیل جائے (قرآن کی آیت. ومن شر غاسق اذا وقب کی جانب اشارہ ہے)(احمد ٦/ ٢٣٧،اور یہ السلسلة الصحيحه میں موجود ہے.)اسی جیسی ایک چیز یہ بھی ہے کہ جب آدمی کا گزران مقامات سے ہو جہاں لوگوں کو زمین میں دھنسا دیا گیا ہو یا عذاب آیا ہو یا ظالموں کی قبریں ہوں تو اس سے اثر لینا چاہیئے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب صحابہ مقام حجر پر پہونچے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا : (لا تدخلوا على هؤلاء المعذبين إلا أن تكونوا باكين، فإن لم تكونوا باكين فلا تدخلوا عليهم لا يصيبكم ما أصابهم)''ان عذاب گرفتہ لوگوں پر صرف ایسی حالت میں داخل ہو کہ روتے ہوئے داخل ہو اور اگر تم روتے ہوئے نہیں ہوتے ہو تو ان پر داخل نہ ہو، کہیں تم بھی اسی عذاب کا شکار نہ ہو جاؤ جس کا شکار وہ ہوئے تھے.(بخاری : ٤٢٣).

ایک طرف تو یہ تنبیہ کی جاری ہے جبکہ دوسری جانب لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ ان مقامات پر سیاحت، تصویر کشی اور عکس بندی کے لئے جاتے ہیں لہذا غور فرمائیے !

١١ : - ضعف ایمان کے علاج کے سلسلے میں جو امور حددرجہ اہمیت کے حامل ہیں :

☆ انہیں میں سے ایک اللہ تعالی کا ذکر ہے، اس سے دلوں کو جلا ملتی ہے اور جب وہ بیمار ہو جاتے ہیں تو یہی ان کی شفاء اور دوا ہوتا ہے، یہ اعمال صالحہ کی روح ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے بھی اس کا حکم دے رکھا ہے، چنانچہ ارشاد ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾ اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو، اور جو شخص کثرت سے اللہ تعالی کا ذکر کرتا ہے اس سے اللہ تعالی نے کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ اور اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ. اللہ کا ذکر ہر شئے سے بڑا ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ﴾ اور یقیناً اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے. اور اس شخص کے لئے یہی نبی ﷺ کی وصیت بھی ہے. جس پر اللہ تعالی کی مشروع کردہ چیزیں زیادہ ہوگئی تھیں، آپ نے اس سے فرمایا : (لا یزال لسانک رطباً من ذکر الله) ''تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے'' (ترمذی : ۳۳۷۵، اور ترمذی نے کہا کہ حدیث حسن غریب ہے اور یہ صحیح

الکلم۲ میں موجود ہے) اور یہ رحمٰن کی رضامندی اور شیطان کو دور کر بھگانے کا وسیلہ ہے، غموں اور افکار کا زائل کرنے والا اور روزی کو کھینچ لانے والا ہے. معرفت کے دروازوں کا کھولنے والا ہے، اور وہ جنت کا پودا اور آفات لسان کو ترک کر دینے کا سبب ہے، اور وہ فقراء کے غموں کا مداوا اور تسلئ خاطر ہے جو صدقہ کرنے کی حیثیت نہیں رکھتے اس لئے اللہ تعالی نے اس کے عوض انہیں ذکر عطا فرمایا ہے جو مالی و بدنی اطاعتوں کا نائب اور قائم مقام بن جاتا ہے. اور اللہ تعالی کے ذکر کو ترک کر دینا دل کی سختی کے اسباب میں سے ہے.

فنسيان ذكر الله موت قلوبهم

واجسامهم قبل القبور قبور

ذکر الہی کو فراموش کر دینا ان کے دلوں کی موت ہے. اور قبروں سے پہلے ہی ان کے جسم قبروں کی صورت دھار لیتے ہیں.

وارواحهم فى وحشة من جسومهم

وليس لهم حتى النشور نشور

ان کی روحین ان کے جسموں سے وحشت زدہ رہتی ہیں اور قیامت تک ان کے اندر زندگی نہیں پیدا ہو سکتی ہے.

اسی لئے جو شخص اپنے ضعف ایمان کا علاج کرنا چاہتا ہو اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ کثرت سے اللہ تعالی کا ذکر کرتا رہے، ارشاد ہے : ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ﴾ جب تو بھول جائے تو اپنے رب کو یاد کرلیا کر، اور اللہ تعالی نے دل پر ذکر کے اثر کا بیان کرتے ہوئے فرمایا : ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد: ۲۸) آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے. ابن قیم رحمہ اللہ ذکر کے ذریعہ علاج کے متعلق فرماتے ہیں: ''دل میں ایک سختی ایسی پائی جاتی ہے جسے اللہ تعالی کے ذکر کے سوا کوئی چیز نہیں گھلا سکتی ہے لہذا بندے کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالی کے ذکر سے اپنے دل کی سختی کی دوا کرے، اور ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے کہا کہ اے ابوسعید میں آپ سے اپنی سخت دلی کا شکوہ کرتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ اسے ذکر سے پگھلا دے. اور ایسا اسلیئے ہوتا ہے کہ جب جب دل کی غفلت میں شدت پیدا ہوتی ہے اسکی سختی بھی بڑھتی جاتی ہے. پھر جب اللہ تعالی کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ سختی ایسی پگھل جاتی ہے جیسے کہ سیسہ آگ میں پگھل جاتا ہے، چنانچہ دل کی سختی کو پگھلانے کے لئے اللہ عزوجل کے ذکر جیسی کوئی بھی چیز نہیں ہے. اور ذکر دل کی شفاء اور اسکی دوا ہے جب کہ غفلت اس کا مرض ہے اور اسکی شفا اور دواء اللہ تعالی کے ذکر میں ہے. حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں :اللہ تعالی کا ذکر شفا اور لوگوں کا ذکر بیماری ہے (الوابل الصیب رافع

الکلم الطیب ص ۱۴۲) ذکر سے بندہ شیطان کو ایسے ہی پچھاڑ سکتا ہے جیسے کہ شیطان اہل غفلت ونسیان کو پچھاڑ دیتا ہے. بعض سلف نے فرمایا کہ جب ذکر دل پر حاوی ہو جاتا ہے تو وہ شیطان کو ایسے ہی پچھاڑ دیتا ہے جس طرح شیطان انسان سے قریب ہو کر اسے پچھاڑ دیتا ہے.

چنانچہ شیاطین اس کے پاس - یعنی اس شیطان کے پاس جو مومن کے دل سے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے - جمع ہو جاتے ہیں اور آپس میں گفتگو کرتے ہیں کہ اسکو کیا ہو گیا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس پر کوئی انسان سوار ہو گیا ! (مدارج السالکین ۲/۴۲۴). لوگوں کی اکثریت جنہیں شیاطین سے گزند پہونچتی ہے ان غافلوں میں سے ہوتی ہے جو اپنے آپ کو اوراد واذکار سے مسلح نہیں رکھتے ہیں. اسی لئے شیاطین کا انہیں کھلونا بنالینا آسان ہو جاتا ہے.

بعض لوگ جنہیں ضعف ایمان کی بیماری لاحق ہوتی ہے ان پر علاج کے بعض وسائل بھاری پڑنے لگتے ہیں جیسے قیام اللیل اور نوافل وغیرہ کی ادائیگی کرنا تو ایسے لوگوں کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اسی علاج سے ابتداء کریں اور اس کا خاص اہتمام رکھیں. انہیں چاہئیے کہ وہ مطلق اذکار کو یاد کریں اور بالاستمرار انہیں دہراتے رہیں جیسے: لا الہ الا اللہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد، وھو علی کل شئی قدیر.

سبحان الله بحمده سبحان الله العظیم. لاحول ولا قوة اِلا بالله وغیرہ

. اسی طرح ان مقید اذکار کو یاد کرلیں جو سنت میں وارد ہوئے ہیں، جب زمان ومکان کے اعتبار سے ان کا وقت آجائے تو انہیں دہراتے رہیں، جیسے صبح وشام، سونے جاگنے، خواب وبدخوابی، کھانے اور قضائے حاجت، سفر اور بارش، اذان اور مسجد، استخارہ اور مصیبت، قبرستان، ہوا، چاند دیکھنے، سواری، سلام، چھینک، مرغ کی بانگ، گدھے کی آواز، کتے کے بھونکنے، کفارۃ المجلس، اور مصیبت زدہ اور بلاؤں میں گرفتار لوگوں کو دیکھنے وغیرہ کے اذکار ہیں. اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو ان اذکار کی محافظت کرے گا وہ براہ راست ان کا اثر اپنے دل میں پائے گا. اذکار کے سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا ایک مفید رسالہ ہے جس کا نام انھوں نے ''الکلم الطیب'' رکھا ہے اور علامہ البانیؒ نے ''صحیح الکلم الطیب'' کے نام سے اس کا اختصار کردیا ہے.

۱۲ : - ایمان کی تجدید کرنے والے امور میں سے ایک چیز یہ ہے کہ اللہ تعالی کے سامنے عاجزی اور انکساری کا مظاہرہ کیا جائے اور اس سے مناجات کی جائے، بندہ جس قدر خشوع وخضوع اور انکساری وعاجزی کا مظاہرہ کرتا ہے اسی قدر اللہ سے قریب ہوتا جاتا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: (أقرب مایکون العبد من ربه وهو ساجد فأکثروا الدعاء) ''بندہ اپنے رب سے

سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہوتا ہے لہذا تم (اس حالت میں) کثرت سے دعا کیا کرو'' (مسلم ۴۸۲) کیونکہ سجدے کی حالت میں ذلت و انکساری اور خضوع کی وہ صورت پیدا ہوجاتی ہے جو دیگر ہیئات و کیفیات میں نہیں ہو پاتی ہے، جب بندہ اپنی پیشانی کو زمین سے لگا دیتا ہے. جو اس کے اندر سب سے اعلی شیئ ہوتی ہے. تو وہ اپنے رب سے تمام حالتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ قربت کی حالت میں ہوتا ہے. امام ابن القیم رحمہ اللہ حضور الہی میں تائب ہونے والے کی ذلت وانکساری کی زبان میں خوبصورت اور حسین کلام کے ضمن میں فرماتے ہیں :''

اللہ! اللہ! کتنا شیریں ہوتا ہے اس حالت میں قائل کا یہ کہنا کہ : تیری عزت اور اپنی ذلت وانکساری کے واسطے سے تیرے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہوں کہ مجھ پر رحم فرما ہی دے، تیری قوت اور اپنے ضعف کے واسطے سے، اور تیرے غنی اور تیری جانب اپنی محتاجی کے واسطے سے مانگتا ہوں، یہ میری جھوٹی اور خطا کار پیشانی تیرے حضور ہے، تیرے بندے میرے سوا بہت ہیں، تجھ سے کوئی ذریعہ نجات اور جائے پناہ تیری ہی سرکار کے سوا اور کہیں نہیں ہے، تجھ سے مسکینوں والا سوال کرتا ہوں ، اور تیرے سامنے جھک جانے والے حقیر کی حیثیت سے زاری کرتا ہوں، اور تجھے خوف زدہ ، ناتواں اور مصیبت کے ماروں کی پکار پکارتا ہوں، اور اس کی مانگ مانگتا ہوں جس کی

گردن تیرے حضور جھکی ہوئی اور جس کی ناک تیرے لئے خاک آلود ہے، جس کی آنکھیں تیرے لئے بہہ پڑی ہیں اور جس کا دل تیرے لئے جھک گیا ہے"۔

جب بندہ اپنے رب سے مناجات و سرگوشی کرتے ہوئے اس طرح کے کلمات کا استعمال کرتا ہے تو اس کے دل میں ایمان کا بیش بہا اضافہ ہوتا ہے۔

اسی طرح جب اللہ کے حضور اپنی محتاجی کا اظہار کیا جاتا ہے تو ایمان میں قوت پیدا ہوتی ہے، اور اللہ تعالی نے بھی ہمیں یہ خبر دے رکھی ہے کہ ہم اس کے فقیر ہیں اور ہمیں اس کی احتیاج ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ اے لوگوں! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔(فاطر : ۱۵)

۱۳ : — آرزو کا کوتاہ ہونا : ایمان کی تجدید کے سلسلے میں یہ چیز بڑی ہی اہمیت کی حامل ہے، ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس سلسلے میں سب سے بڑی چیز یہ آیت ہے : ﴿اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ، ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ، مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ﴾ اچھا یہ بھی بتاؤ کہ اگر ہم نے انہیں کئی سال بھی فائدہ اٹھانے دیا، پھر انہیں وہ عذاب آ لگا جن سے یہ دھمکائے جاتے تھے، تو جو کچھ بھی یہ برتتے رہے اس میں سے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔(الشعراء ۲۰۵-۲۰۷)۔

گویا کہ وہ بس دن کی ایک گھڑی ہی ٹھہرے ہوں. بس یہی دنیا ہے لہذا آدمی اپنی آرزوؤں کا سلسلہ دراز نہ کرے، یہ کہتا رہے کہ ابھی تو میری زندگی باقی ہے، ابھی تو میری زندگی باقی ہے، بعض سلف نے کسی آدمی سے کہا کہ ظہر کی نماز پڑھا دو، اس شخص نے کہا کہ اگر میں تمہیں ظہر کی نماز پڑھا دوں گا تو پھر عصر کی نماز نہیں پڑھا سکوں گا، انہوں نے فرمایا: گویا کہ تمہیں اس بات کی توقع ہے کہ تم عصر تک زندہ رہو گے، طول آرزو اور لمبی توقعات سے اللہ کی پناہ.

۱۴ : - دنیا کی حقارت کا احساس یہانتک اجاگر کرتے رہنا چاہئے کہ بندے کے دل سے اس کا لگاؤ اور تعلق جاتا رہے، اللہ تعالی فرماتا ہے ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ دنیا تو بس دھوکے کا سامان ہے. نبی ﷺ فرماتے ہیں :(ان مطعم ابن آدم قد ضرب للدنیا مثلاً، فانظر مایخرج من ابن آدم وإن قزحه و ملحه، قد علم إلى ما يصير)''ابن آدم کی خوراک کو دنیا کے لئے بطور مثال پیش کیا گیا ہے، لہذا دیکھو کہ ابن آدم سے کیا نکلتا ہے، اگرچہ وہ اس میں نمک مصالحہ ڈال دے، تو تمہیں اپنا انجام معلوم ہو جائیگا''.(طبرانی فی الکبیر ۱/۱۸۹، السلسلة الصحيحه :۳۸۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ؛بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا :(الدنيا ملعونة ملعون ما

فيها إلا ذكر الله وما والاه أو عالماً أو متعلماً) ''دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہے صرف اللہ تعالی کا ذکر اور اس سے متصل چیزیں یا عالم یا متعلم اس سے مستثنی ہیں. (ابن ماجہ ۴۱۱۲،صحیح الترغیب والترہیب :۱۴)

۱۵ : - دل میں ایمان کی تجدید کرنے والے امور میں حرمات الٰہی کی تعظیم بھی ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے :﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ اب اور سنو! اللہ کی نشانیوں کی جو عزت وحرمت کرے اس کے دل کی پرہیز گاری کی وجہ سے ہے. (الحج :۳۲)

حرمت الٰہی سے مراد اللہ سبحانہ وتعالی کے حقوق ہیں، یہ اشخاص میں بھی ہو سکتے ہیں، مقامات میں بھی ہو سکتے ہیں اور زمانوں میں بھی پائے جاتے ہیں، مثلا اشخاص میں حرمات الٰہی کی تعظیم میں ایک چیز یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حقوق کی ادائیگی کی جائے، اور مقامات میں اللہ تعالی کے شعائر کی تعظیم کی ایک صورت یہ ہے کہ حرم کی تعظیم کی جائے، اور زمانوں میں شعائر الٰہی کی تعظیم یہ ہے کہ ماہ رمضان کی تعظیم کی جائے.

﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهِ﴾ ''جو کوئی اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے اس کے اپنے لئے اس کے رب کے پاس بہتری ہے''. (الحج :۳۰)

اللہ تعالی کی حرمتوں کی تعظیم یہ بھی ہے کہ صغیرہ گناہوں کو معمولی نہ سمجھا جائے، حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ایاکم ومحقرات الذنوب فإنهن يجتمعن على الرجل حتى يهلكنه) ''اپنے آپ کو چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچاؤ کیونکہ یہ کسی شخص پر جمع ہو کر اسے ہلاک بھی کر ڈالتے ہیں''. اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق ان لوگوں کی مثال بیان فرمائی ہے جنہوں نے کسی چٹیل میدان میں پڑاؤ ڈالا ہے، اور کھانا پکانے کا وقت آ گیا ہے تو وہ لوگ ایک ایک کر کے جاتے ہیں اور ایک ایک لکڑی اٹھالاتے ہیں یہاں تک کہ ایک گٹھر جمع ہو جاتا ہے چنانچہ وہ لوگ اس میں آگ بھڑکا دیتے ہیں اور جو چیز اس میں ڈالتے ہیں وہ پک جاتی ہے.'' (احمد ۱/۴۰۲، السلسلة الصحيحه ۳۸۹).

خل الذنوب صغير هاو كبير ها ذاک التقى

چھوٹے اور بڑے تمام گناہوں کو ترک کر دو یہی تقوی ہے

واصنع كماش فوق أرض الشوک يحذر مايرى

اور کانٹے دار زمین پر چلنے والے کی طرح کرو کہ وہ جو کچھ سامنے پاتا ہے اس سے بچتا ہوا جاتا ہے .

لاَ تَحْقِرَنَّ صَغِيْرَةً اِنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحَصَى

چھوٹے گناہوں کو حقیر نہ جانو پہاڑ کنکروں ہی سے بنا ہوتا ہے

علامہ ابن جوزی صید الخاطر میں فرماتے ہیں : ''بہت سے لوگ ایسے امور کو نظر انداز کر دیتے ہیں جنہیں ہلکا سمجھ لیتے ہیں جبکہ وہ بنیادی چیزوں میں قادح ہوتے ہیں، جیسے محرمات کے سلسلے میں آنکھوں کو کھلی چھوٹ دے دینا، اور بعض طلباء کا کتاب کے کسی حصے کا عاریت پر لینا اور اسے واپس نہ کرنا. بعض سلف نے فرمایا کہ میں نے ایک لقمے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے کھالیا تو آج میں چالیس سال سے پیچھے کی طرف جارہا ہوں'' یہ حضرت رحمہ اللہ کا تواضع ہے.

۱۶ : - **جو امور دل میں ایمان کی تجدید کا باعث ہوتے ہیں** ان میں ایک معاملہ ولاء و براء کا بھی ہے. جس کا مطلب یہ ہے کہ مومنین سے دوستی اور الفت کا تعلق رکھا جائے اور کفار سے عداوت کا رویہ اختیار کر لیا جائے، کیونکہ جب دل کا تعلق اللہ تعالی کے دشمنوں سے جڑ جاتا ہے تو اس کے اندر بڑی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے اندر عقیدے کی معنویتیں دھندلا جاتی ہیں، اور جب آدمی دوستی کو اللہ تعالی کے لئے یکسو کر لیتا ہے تو وہ اللہ تعالی کے مومن بندوں کو اپنا دوست بناتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے اور اللہ تعالی کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی کرتا ہے اور ان سے ناراض رہتا ہے اور یہ حالت اس کے اندر ایمان کو زندگی عطا کر دیتی ہے.

۱۷ : - **ایمان کی تجدید اور دل کے آئینے کو کبر کی آلودگیوں سے صاف**

کرنے میں تواضع کا زبردست اور موثر کردار ہوتا ہے، کیونکہ گفتگو اور مظہر (چال ڈھال اور پوشاک وغیرہ) میں تواضع اس بات کی دلیل ہے کہ دل میں بھی اللہ تعالی کے لئے تواضع موجود ہے، اور نبی ﷺ نے فرمایا: کہ (البذاذة من الايمان) شکستہ حالی اور سادگی ایمان کا حصہ ہے. (ابن ماجہ ۴۱۱۸، السلسة الحيحة : ۳۴۱). اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ہیئت اور لباس میں تواضع اختیار کرے (دیکھئے النہایہ لابن الاثیر ۱/ ۱۱۰) نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص قدرت کے باوجود اللہ تعالی کی خاطر تواضع اختیار کرتے ہوئے لباس کو ترک کردے تو اللہ تعالی قیامت کے دن اسے بھرے مجمع میں بلائے گا، پھر اسے اختیار دے دیگا کہ وہ ایمان کے جوڑوں میں سے جو جوڑا چاہے پہن لے." (ترمذی ۲۴۸۱، السلسلة الصحيحة : ۷۱۸). حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے غلاموں کے درمیان پہچانے نہیں جاتے تھے.

۱۸ : — دلوں کے کچھ دوسرے اعمال بھی ہیں جو تجدید ایمان کے سلسلے میں اہمیت کے حامل ہیں جیسے : اللہ تعالی کی محبت، اس کا خوف، اس کے ساتھ حسن ظن رکھنا، اس پر توکل اور بھروسہ رکھنا، اس سے اور اس کے فیصلے سے راضی ہونا، اس کا شکر ادا کرنا، اس کے ساتھ سچا معاملہ کرنا اور اس پر یقین رکھنا، اس ذات منزہ پر اعتماد کرنا، اس سے توبہ کرتے رہنا اور ان کے علاوہ جو دوسرے بھی اعمال قلوب ہیں

ان کی انجام دہی میں لگے رہنا.

۱۹ : - تجدید ایمان کے سلسلے میں نفس کا محاسبہ کرنا بھی کافی افادیت اور اہمیت رکھتا ہے، اللہ عز و جل کا ارشاد ہے : ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ (بھال) لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے (اعمال کا) کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے''. (الحشر : ۱۸)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :(حَاسِبُوْا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوْا) ''اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ شروع ہو جائے تم خود ہی اپنا محاسبہ کرو''.

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں : ''مومن تمہیں اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہوا ہی ملے گا''. میمونؒ بن مہران فرماتے ہیں : ایک متقی آدمی کسی کنجوس شراکت دار سے بھی زیادہ اپنا محاسبہ کرتا رہتا ہے.

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ''نفس کی ہلاکت اسی صورت میں ہوتی ہے جب اس کا محاسبہ ترک کر دیا جاتا ہے، اس کی باتیں تسلیم کر لی جاتی ہیں اور اس کی خواہشات کی پیروی شروع ہو جاتی ہے''.

لہذا ایک مسلمان کے پاس کوئی ایسا وقت ضرور ہونا چاہیئے جس میں وہ اپنی ذات کے

ساتھ تنہا ہو، اس کے حالات کا جائزہ لے، اس کا محاسبہ کرے اور اس کے معاملات پر نظر رکھے اور اس بات کا اندازہ لگائے کہ اس دن کے لئے کونسا توشہ روانہ کیا ہے جب اسے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

۲۰ : — آخری بات یہ ہے کہ اللہ تعالی سے دعا کرنا قوی ترین اسباب میں سے ہے، بندے کو اس جانب بھرپور توجہ صرف کرنا چاہئیے جیسا کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں :(إن الايمان ليخلق في جوف أحد كما يخلق الثوب فاسألوا الله أن يجدد الايمان في قلوبكم)''ایمان تم میں سے کسی شخص کے اندر ایسے ہی پرانا ہوتا ہے جیسے کپڑا پرانا ہوتا ہے لہذا تم اللہ تعالی سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان کی تجدید فرمادے''.

اے اللہ ہم تیرے اسمائے حسنی کے واسطے سے اور تیری بلند ترین صفات کے حوالے سے اس بات کے طلبگار ہیں کہ تو ہمارے دلوں میں ایمان کی تجدید فرمادے، اے اللہ ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت پیدا فرمادے اور اسے ہمارے دلوں میں مزین کردے اور کفر وفسق اور معصیتوں سے ہمارے اندر نفرت پیدا کردے .اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل فرمادے.(آمین)سبحان ربک رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين.

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اپنے مقصد وجود اور مشن کی تکمیل میں بحمد اللہ بساط بھر سرگرم عمل ہے اور خالص اسلام (کتاب وسنت) کی نشر واشاعت ، دعوت الی اللہ ، اصلاح نفوس ، اصلاح ذات البین اور تعلیم وتربیت سے متعلق سرگرمیوں میں اپنا کردار نبھانے کی بھر پور سعی کر رہی ہے۔ ذیل میں اس کی سرگرمیوں کا ایک خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

* ماہانہ تربیتی اجتماعات کا انعقاد۔
* جلسے۔
* انفرادی ملاقاتیں اور دعوتی دورے۔
* ہینڈ بل ، اشتہارات اور کتابوں کی اشاعت۔
* مفت کتابوں کی تقسیم۔
* مکاتب کا ماہانہ تعاون۔
* ضرورت مند افراد کا تعاون۔
* مصائب وحادثات سے دوچار پریشان حال لوگوں کا تعاون۔
* نزاعات کے تصفیہ کے سلسلے میں تگ ودو۔
* دعاۃ کی تربیت کا اہتمام وغیرہ۔

دینی شعور رکھنے والے تمام غیرت مند افراد سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ مذکورہ مشن کی تکمیل میں جمعیت کا بھر پور تعاون فرمائیں۔ جزاھم اللہ خیرا۔